مجموعۂ فتاویٰ از

علامہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین

جمع وترتیب
حمد بن ابراہیم الحریقی

ترجمہ وتفہیم
محمد تنویر عالم ندوی

باللغة الأوردية

فتاوى في التوحيد

جمع وترتيب الشيخ حمد بن إبراهيم الحريقي
ترجمة محمد تنوير عالم الندوي

مسائلِ توحید

مجموعہ فتاویٰ از

علامہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین

جمع وترتیب

حمد بن ابراہیم الحریقی

ترجمہ وتفہیم

محمد تنویر عالم الندوی الکشن غنجوی

من مطبوعات

المكتب التعاوني للدعوة والإرشاد وتوعية الجاليات في القويعية

ص . ب ٦٠ القويعية ١١٩٧١ - هاتف ٠١٦٥٢٠٧٦١ ناسوخ ٠١٦٥٢٠٥٣٤

ترتیب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرضِ مترجم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ' ذِی الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ الْوَاحِدِ الْاَحَدِ الْفَرْدِ الصَّمَدِ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ' وَالصَّلاَۃُ وَالسَّلاَمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الْاَمِیْنِ ' وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ' وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ——— اَمَّا بَعْدُ:

علمِ توحید تمام علوم و فنون سے زیادہ اشرف و افضل ' قدر و منزلت کے اعتبار سے سب سے زیادہ اعلیٰ و ارفع اور ضرورت و تقاضے کے لحاظ سے سب سے زیادہ اہم علم ہے ' اس لیے کہ اس علم کا تعلق براہِ راست اللہ ربّ العزت وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ذات ' اسماء و صفات ' اور بندوں پر اس کے حقوق سے متعلق ہے ' اور یہی علم اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ ' اور تمام آسمانی شریعتوں کی بنیاد ہے۔ سارے انبیاء و رُسل علیہم الصلاۃ والسلام نے توحید کی طرف دعوت دی ہے۔ انبیاء و رُسل ﷺ کی زندگیاں اور جملہ کوششیں اس کام کے لیے وقف تھیں اور اسی کام کو محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے حرزِ جاں بنایا۔ غارِ حراء سے لے کر طائف کی پہاڑیوں تک ' پھر یثرب کی زمین تک آپ ﷺ یہی پیغام پہنچانے کے لیے سرگرداں و کوشاں رہے۔ اس مقصد کے لیے ہجرت کی اور جنگیں لڑیں اور بالآخر توحید کا جھنڈا سرزمین عرب پر گاڑ کر یہ دعوت اُمّتِ مسلمہ کے حوالے کر کے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○ ﴾ (الانبیاء: ۲۵)

"(اے نبیؐ!) آپ سے پہلے جو بھی رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔"

خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی توحید و وحدانیت کی گواہی دی ہے، اور یہی شہادت وگواہی فرشتوں اور اہلِ علم نے بھی دی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ ﴾ (آل عمران: ۱۸)

"اللہ تعالیٰ، فرشتے اور اہلِ علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور وہ عدل کو قائم رکھنے والا ہے، اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔"

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ... ﴾ (البيّنة: ۵)

"انھیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں، اُسی کے لیے دین کو خالص کر کے، بالکل یک سُو ہو کر..."

نیز ارشادِ پاک ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ ﴾ (المائدة: ۳)

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے اور تم پر اپنی

نعمت تمام کردی ہے اور میں تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا ہوں۔"

جب علم توحید کا یہ مقام و درجہ ہے تو ہر مسلمان پر یہ فرض خود بخود عائد ہو جاتا ہے کہ علم توحید کو خود بھی سیکھے اور دوسروں کو بھی سکھائے' اس پر غور و تدبّر کرے اور اس پر صدقِ دل سے ایمان لائے۔ نتیجتاً وہ خود دین کی صحیح بنیادوں پر کھڑا ہو گا اور پھر دل جمعی اور سکون کے ساتھ اس کے احکام کو بجالائے گا' بالآخر دنیا میں سرخرو اور آخرت میں نجات و جنّت کا مستحق بن جائے گا۔

زیر نظر کتاب "فتاویٰ فی التوحید" کی حقیقت یہ ہے کہ فضیلۃ الشیخ العلامہ الدکتور عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الجبرین (حفظہ اللہ) کی خدمت میں چند سوالات رکھے گئے۔ آپ نے ان سوالات کا جامع اور خالص علمی بنیادوں پر جواب دیا' جسے فضیلۃ الشیخ حمد بن ابراہیم الحریقی نے ترتیب دے کر کتابی شکل میں پیش کیا ہے۔ توحید و عقیدے سے متعلق یہ سارے سوالات و جوابات شرک' بدعات' خرافات' غیر شرعی رسومات' اسلامی شریعت سے متصادم عقائد از قسم قبر پرستی' پیر پرستی' کہانت اور جادوگری جیسے موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں' چنانچہ آج کے پُرفتن و پُر آشوب دور میں یہ کتاب عوام الناس کے لیے اپنی افادیت کے اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

مرتبِ کتاب جناب الشیخ حمد الحریقی حفظہ اللہ کی خواہش تھی کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ آجائے' چنانچہ اللہ ربّ العرش الکریم کی خصوصی توفیق و فیضانِ کرم سے بندہ نے کتاب کا ترجمہ کر کے یہ سعادت حاصل کی ہے۔ خاکسار نے یہی سعی و کوشش کی ہے کہ ترجمہ عام فہم' سلیس' سہل اور آسان اردو زبان میں ہو' تاکہ عام پڑھا لکھا آدمی بھی اس سے فائدہ اٹھا سکے' لیکن اس کا فیصلہ قارئین کرام ہی کریں گے کہ میں کس حد تک اس کوشش میں کامیاب ہوا ہوں۔

ضلع قویعیہ کے "مکتب تعاونی للدعوۃ والارشاد" کے ہم شکرگزار ہیں کہ اس نے اس کتاب کو ہدیہ قارئین کرنے کے لیے خاصی محنت وتعاون کیا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس معمولی سی کوشش کو اپنی ذات کی رضامندی کا باعث بناکر قبولیت سے نوازے' آمین۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین' مرتب' مترجم اور دیگر تعاون کرنے والوں کو اجرِ جزیل عطا فرمائے —— آمین!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ' وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ' وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلاَّ بِاللّٰهِ' عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ' وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

دعاؤں کا طالب

محمد تنویر عالم الندوی الکشن غنجوی

برائے رابطہ:

المکتب التعاونی للدعوۃ والارشاد بمحافظۃ القویعیۃ ۱۱۹۷۱

ص ب ۶۰' المملکۃ العربیۃ السعودیۃ

ہاتف: ۰۱/۶۵۲۰۷۶۱ فاکس: ۰۱/۶۵۲۰۵۳۴

مقدمہ

از قلم : الشیخ عبداللہ بن جبرین حفظہ اللہ

اَلحَمدللہِ وَحدہ وصلّی اللّٰہ علیٰ مُحمَّدو آلہ وصحبہٖ

وبعد : میں نے ان مسائل کو جو توحید و عقیدہ سے متعلق ہیں' چار سال پہلے تحریر کیا تھا' اور یہ ہمارے دینی بھائی حمد بن ابراہیم الحریقی "وفقہ اللہ" کی خواہش پر قلمبند کیا تھا' اور میں نے اس میں اس بات کاالتزام کیا ہے کہ صرف انہی مسائل کو بیان کروں گا جو اہل السنّت والجماعت کے اعتقادات سے ہیں' اور جس کی کتاب و سُنّت' اجماعِ سلف امت وائمہ کرام سے دلیل بھی موجود ہو' نیز جن کو میں نے ائمہ دعوت کے شاگردانِ رشید یعنی اپنے مشائخ سے حاصل کیا ہے۔

چنانچہ جو صحیح ہو وہ اللہ رب العزت کی توفیق سے ہے' اور وہی ہر نیک کام کی توفیق دینے والا ہے' اور یہ اُسی ذاتِ اَقدس کا فضل و کرم ہے۔ اور اگر کوئی خطاو لغزش ہو تو وہ میری کوتاہی کا نتیجہ ہے اور میری نادانستگی و علمی بے بضاعتی اور کم مائیگی کی وجہ سے ہے۔

نیز جس صاحب نظروذی علم شخص کو اس میں کوئی خطاو لغزش نظر آئے تو وہ مجھے اس کی اطلاع سے نوازے۔ اور حق تو یہ ہے کہ خیر کی طرف رجوع کرنا باطل کی تاریک وادیوں میں بھٹکنے سے بہتر ہے۔

اب ہم بارگاہِ الٰہی میں دست بدعا ہیں کہ ہمیں ہدایت سے نوازے' اور صحیح راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے —— آمین!

وصلّی اللّٰہ علیٰ محمدو آلہٖ وصَحبہٖ وسلَّم

مقدّمہ از مرتّب

الحمد للّٰہ وحدَہ والصّلاۃ والسّلام علٰی مَن لا نَبِیَّ بعدہ

اما بعد' یہ چند سوالات ہیں جن کو میں نے قلمبند کرنے کے بعد "الشیخ عبد اللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین حفظہ اللہ کے سامنے ۱۴۱۲ھ میں پیش کیا تھا۔اس کا اصل نسخہ میرے پاس موجود ہے۔ چونکہ میں نے شیخ عبداللہ الجبرین کے مجموعہ فتاوی کو منظرعام پر لانے کا ارادہ کیا تھا' چنانچہ ان سے زبانی منظوری حاصل کرلی۔ کچھ عرصے بعد مجموعہ فتاویٰ میرے دینی بھائی "علی ابو لوز" کی ترتیب کے ساتھ منظرعام پر آیا۔

چند مہینے گزرنے کے بعد مجھے یہ خیال آیا کہ ان سوالات کو ایک مستقل کتاب کی شکل دے دوں' تاکہ کتمانِ علم کے گناہ سے بچ جاؤں اور یہ گراں مایہ تحفہ بھی لوگوں کے ہاتھوں پہنچ جائے۔ اس کتاب کی خوبی ہے کہ یہ ایسے مجموعہ فتاویٰ پر مشتمل ہے جو توحید سے متعلق ہیں۔

اللہ رب العزت سے التجاہے کہ وہ اس کتاب سے عوام الناس کو خاطرخواہ فائدہ پہنچائے اور اللہ رب العالمین سے ہماری یہ دعاہے کہ وہ ہمارے اقوال و اعمال میں اخلاص پیدا فرمائے' اور یہ کہ شیخ صاحب کو ان کی ان مساعی جمیلہ کا بہترین صلہ عطا فرمائے' آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ ربِّ العالمین

از قلم حمد بن ابراہیم الحریقی
الرس' ص' ب: ۵۵۳

بمقام القویعیہ بروز اتوار' رات
۷/۵/۱۴۱۶ھ

آیاتِ قرآنیہ سے علاج کرنے کا حکم

سوال ① قرآن حکیم سے علاج کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: کوئی حرج نہیں' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ قرآن از اول تا آخر شفاء ہے' اور اس سے شفاء ملتی ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ... ﴾ (یونس: ۵۷)

"اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کے لیے شفاء ہے..."

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ... ﴾ (الاسراء: ۸۲)

"یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں' مؤمنوں کے لیے سراسر شفاء اور رحمت ہے..."

ارشاد ربانی ہے:

﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ﴾ (فُصِّلت: ۴۴)

"کہہ دیجئے کہ یہ (قرآن) تو ایمان والوں کے لیے ہدایت و شفاء ہے۔"

اور ان آیات سے استدلال کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم سے شفاء صرف اُن مؤمنوں کو ملتی ہے جو اس پر عمل کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یقین بھی رکھتے ہیں کہ یہ کلامِ الٰہی ہے' اور یہ ایمان اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس سے علاج کے صحیح ہونے کا بھی اعتقاد رکھا جائے اور اس بارے میں ان کا دل بھی مطمئن ہو'

اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ قاری کا ایمان درست ہو' اور قرآن پر عامل بھی ہو۔ نیز اسے (قاری کو) اِن آیات اور سورتوں کا بھی بخوبی علم ہو جن کے ذریعہ علاج کیا جاتا ہے' مثلاً آرام و سکون دینے اور پریشانی کم کرنے والی آیات' اسماء و صفات پر مشتمل آیات (یعنی جن آیتوں میں اللہ عزّوجل کے ناموں اور صفات کا ذکر ہو۔) اسی طرح آیاتِ توحید و توکّل (یعنی وہ آیاتِ قرآنیہ جن میں اللہ کی وحدانیت و یکتائیت اور اس پر توکّل کا بیان اور حکم ہو۔

دم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مریض اس کو پڑھ کر خود اپنے اوپر پھونک مارے گا' یا قاری (پڑھنے والا) اس کو پڑھے گا اور مریض پر پھونک مارے گا' یا جسم کے جس حصہ میں تکلیف ہے اس پر پھونک مارے گا' اور ہاتھ پھیرے گا' اور اس عمل کو کئی بار کرے گا۔ اس عمل سے اللہ کی مشیت و قدرت اور حکم سے ہر طرح کی تکلیف و بیماری' جیسے جنوں کا اثر' نظرِ بد' جادو کا اثر' نیز دیگر خطرناک و مہلک اور مشکل العلاج امراض جیسے کینسر' پھوڑے' پھنسی اور گلے سڑے عضو کو شفاء مل جائے گی۔ اور یہ تجربہ کی بات ہے' اگرچہ ڈاکٹر حضرات اور عام آدمی اسے ناممکن سمجھتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ تجربہ بہت بڑی دلیل ہے —— واللہ اعلم!

✪ ✪ ✪

"وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُھَا" میں لفظ "ورود" کا مفہوم

سوال ② ارشادِ باری تعالیٰ ﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُھَا﴾ میں لفظ ورود کا معنی و مطلب کیا ہے؟

جواب: ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں لفظ "الورود لِلنَّار" کی تفسیر میں سلف صالحین کے چند اقوال و آثار نقل کیے ہیں:

پہلا قول: ورود سے مراد دخول ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاَوْرَدَھُمُ النَّارَ﴾ (ھود: ۹۸)

"وہ ان سب کو دوزخ میں داخل کرے گا۔"

دوسرا قول: ورود سے مراد اس پل یا راستہ سے گزرنا ہے جو جہنم کے اوپر نصب کیا جائے گا۔ بعض آثار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل ایمان سے کہا جائے گا کہ تم جہنم سے اس وقت گزرے ہو جب کہ اس کی آگ بجھ چکی تھی۔ اور بعض آثار سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جہنم خود کہے گی کہ اے مؤمن! تو گزر جا، بے شک تیرا ایمانی نور میرے دہکتے ہوئے شعلے کو بجھا چکا ہے۔

تیسرا قول: "ورود" سے مراد جہنم کے ارد گرد اہل ایمان کا قیام ہے، پھر وہ اپنے نامہ اعمال لے کر واپس ہوں گے۔

اور بہت سے سلف صالحین سے یہ بھی منقول ہے کہ جب ان پر شدتِ خوف طاری ہوتا ہے تب وہ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے ہمیں اس بات کی اطلاع تو دی ہے کہ ہمیں جہنم کے پاس آنا ہوگا، اور ہم سے یہ نہیں کہا کہ ہم وہاں سے واپس بھی لوٹ آئیں گے۔

اور صحیح حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے منقول ہے کہ :

((لَا يَمُوْتُ لِمُسْلِمٍ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْوَلَدِ' فَيَلِجَ النَّارَ اِلَّا تَحِلَّةَ الْقَسَمِ)) (۱)

"جس مسلمان کے تین بچے بلوغت سے پہلے وفات پا گئے اسے آگ نہیں چھوئے گی' مگر صرف قسم پوری کرنے کے لیے۔"

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۱۲۴/۳) میں "ورود" کے مذکورہ بالا معانی کے برعکس معنی بیان کیا ہے' اور اپنے اس قول کو صحیح قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس (ورود) سے مراد دخول' پھر خروج ہو گا' یا پھر جہنم پر سے گزرنا مراد ہے' اور اس پر دلائل بیان کیے ہیں۔

"ورود" کو کافروں کے ساتھ خاص کرنا' یا جہنم سے قریب ہونا یا صرف جہنم کو دور سے جھانکنا' یا یہ مفہوم لینا کہ مؤمن مرد اس جہنم پر سے گزرتے ہوئے بخار کی سی تپش و حرارت سے زیادہ حرارت محسوس نہیں کرے گا' یہ سب اقوال ضعیف ہیں' جبکہ حافظ ابنِ حجرؒ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے جو مسلمؒ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((لَا يَدْخُلُ اَحَدٌ شَهِدَ الْحُدَيْبِيَةَ النَّارَ)) قَالَتْ حَفْصَةُ : اَلَيْسَ اللّٰهُ يَقُوْلُ : ﴿ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ﴾ فَقَالَ : ((اَلَيْسَ اللّٰهُ يَقُوْلُ : ﴿ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ﴾)) (مریم : ۷۲)

---

(۱) صحيح البخارى' كتاب الجنائز' باب فضل من مات له ولد فاحتسب' ح ۱۱۹۳. و صحيح مسلم' كتاب البر والصلة والاداب' باب فضل من يموت له ولد فيحتسبه' ح ۲۶۳۲.

"وہ شخص جہنم میں نہیں جائے گا جو حدیبیہ میں شریک رہا ہو"۔ یہ سن کر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں ارشاد فرمایا: "تم میں سے ہر ایک وہاں ضرور وارد ہونے والا ہے" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: "کیا اللہ رب العزت نے یہ نہیں کہا: "پھر ہم پرہیز گاروں کو بچالیں گے"۔(۲)

(فتح الباری ۳/۱۴۹' ط الریان' بحوالہ صحیح مسلم)

بہرحال اگر یہ کہا جائے کہ اس "ورود" سے دخول مراد ہے تو جہنم صاحب ایمان کے لیے ضرر رساں نہیں ہوگی' بلکہ مؤمن اس پر سے اس طرح گزر جائے گا کہ اس کو جہنم کی حرارت و تمازت کا احساس بھی نہ ہوگا۔ اور جہنم میں صرف وہی شخص باقی رہے گا جس کے بارے میں وقتی عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہو گا یا ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا فیصلہ ہو چکا ہو گا —— واللہ اعلم!

✪ ✪ ✪

---

(۲) صحیح مسلم' کتاب فضائل الصحابة' باب من فضائل اصحاب الشجرة' اهل بیعة الرضوان رضی اللّٰه عنهم ح (۲۴۹۶)' ورواه احمد (۳/۳۵۰). وکتاب السنة لابن ابی عاصم ص ۴۰۰

کیا ہر مسلمان مؤمن ہے؟

سوال ③ کیا ہر مسلمان مؤمن بھی ہے؟اس کی وضاحت مطلوب ہے۔

جواب: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو شخص دین اسلام میں داخل ہوتا ہے اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہوتا ہے تو وہ بظاہر مسلمان سمجھا جائے گا' اور عام اہلِ ایمان میں اس کا شمار ہوگا اور اللہ پاک نے متعدد جگہوں پر اسلام لانے کے بارے میں جو حکم دیا ہے وہی حکم ایمان لانے کے بارے میں دیا ہے۔ اسلام کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کا معنی دلی آمادگی کے ساتھ قبول کرنا اور تسلیم کرنا ہے۔ چنانچہ اسلام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہر طرح کی عبادت وطاعت پر عمل کیا جائے اور ہر شکل وصورت کی برائی سے اجتناب کیا جائے۔

ایمان کی توضیح یہ کی گئی ہے کہ ان تمام امورِ غیبیہ پر مکمل طور پر یقین واعتماد ہو جن کا ذکر قرآن وحدیث میں آیا ہے۔ اور اس تصدیق جازم (پختہ تصدیق) کا لازمی نتیجہ ہے کہ انسان شرعی احکام پر عمل کرے اور ممنوعہ چیزوں سے احتیاط کرے۔ اسی لیے اہل السنّت والجماعت کا یہ کہنا ہے کہ جسمانی اعمال حقیقت ایمان میں داخل ہیں۔ لیکن بعض علماء جیسے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ لفظ اسلام مطلقاً ایمانِ کامل کو شامل نہیں' اور انہوں نے اس آیتِ کریمہ سے استدلال کیا ہے:

﴿قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا...﴾ (الحجرات: ۱۴)

"آپ کہہ دیجیے کہ در حقیقت تم ایمان نہیں لائے' لیکن تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے (مخالفت چھوڑ کر مطیع ہو گئے)۔"

اور جن دوسرے لوگوں نے اسی کو راجح قرار دیا ہے انہی میں سے ابنِ رجبؒ

ہیں۔ آپ نے مشہور حدیثِ جبریل کی شرح کرتے ہوئے کہا ہے کہ جب صرف لفظ ایمان استعمال کیا جائے تو اس میں اسلام بھی داخل ہوتا ہے' اور اسی طرح جب لفظ اسلام بولا جائے تو ایمان بھی مراد ہوتا ہے۔ لیکن جب ان دونوں کو ایک جگہ بیان کیا جائے تو اسلام کی تشریح اعمالِ ظاہرہ سے اور ایمان کی توضیح اعمالِ قلب سے کی جائے گی۔ اور آپ نے اُن احادیث کا تذکرہ بھی کیا ہے جن میں لفظ اسلام سے ایمان اور اعمالِ باطنیہ مراد ہیں' اور لفظ ایمان سے مراد ظاہری اعمال ہیں۔ بہرحال مشہور یہی ہے کہ ان دونوں کے کچھ درجات و مراتب ہیں۔

اسلام ایک عام لفظ ہے' **لہٰذا** جس نے بھی دینِ اسلام کو قبول کیا وہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے' اگرچہ اس نے اسلامی تعلیمات کو اپنے اوپر لاگو نہ کیا ہو (یعنی اگرچہ اس نے اسلامی احکام اور تعلیمات و ہدایات کے مطابق عمل نہ کیا ہو۔)

لیکن ایمان ایک ایسا وصف ہے جو اسلام سے اعلیٰ وارفع (بالاتر) ہے' جو خاص ہے اس شخص کے ساتھ جو کثرت سے عمل کرے اور تمام غیبی امور پر دل سے پختہ یقین بھی رکھے' نیز طلب ثواب کے جذبے سے نیکی میں کوشاں ہو' اور اپنے ربِ کریم سے ملنے کے لیے مکمل تیاری رکھے —— واللہ اعلم!

✪ ✪ ✪

توکّل کی حقیقت کیا ہے؟

سوال ④ توکّل علی اللہ کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: توکّل کے لغوی معنی ہیں: انسان کا کسی غیر(دوسرے) کی طرف متوجہ ہونا اس کام کے لیے جس کو وہ خود کرنے سے عاجز ہو۔ "توکّل بالامر" اُس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کہ وہ ذات (جس پر توکّل کیا جارہا ہے) تمہاری طرف سے اس کام کو انجام دینے کی ضامن ہو جائے۔

اور شرعاً "توکل" کے معنی ہیں کہ سارے معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردینے کے بعد اُس ذاتِ باری تعالیٰ پر دل سے یقین و اعتماد کرلیا جائے' اور باری تعالیٰ کو اپنے معاملات میں کفایت کرنے والا اور کارساز مان کر اس سے رضامند بھی ہو جائے۔ اور توکل دل سے تعلق رکھنے والی عبادات میں سے ایک عبادت ہے جس کے کرنے کا اکثر و بیشتر حکم دیا جاتا ہے۔ اور اس پر عمل کرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿...فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ﴾ (هود: ۱۲۳)

"پس آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسہ رکھیں۔"

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿...فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوٓا إِن كُنتُم مُّسْلِمِينَ ۝﴾ (یونس: ۸۴)

"...اسی پر توکل کرو اگر تم مسلمان ہو۔"

اور فرمانِ الٰہی ہے:

﴿...فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۝﴾ (المزمل: ۹)

"...پس تُو اسی کو اپنا کارساز بنالے۔"

نیز اللہ پاک کا فرمان ہے:

﴿...وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝﴾ (الانفال:۲)

"...اور وہ لوگ اپنے رب پر توکّل کرتے ہیں۔"

یعنی وہ لوگ اپنے معاملات کو اسی ذات وحدہٗ لا شریک لہٗ کے حوالے کرتے ہوئے اس پاک ذات پر اپنے دلوں سے یقین واعتماد کرتے ہیں' اور اس کے ماسوا کسی اور سے امیدیں وابستہ نہیں رکھتے' اور اس کے علاوہ کسی پر بھروسہ نہیں کرتے' اور صرف اسی کی طرف متوجہ رہتے ہیں' تو اللہ تعالیٰ ہی ان کے لیے کافی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ﴾ (الطلاق:۳)

"اور جو شخص اللہ پر توکّل کرے گا اللہ اسے کافی ہوگا۔"

اور توکّل ظاہری اسباب کو اختیار کرنے کے منافی نہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿...فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ﴾ (هود:۱۲۳)

"...پس تم اس کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو۔"

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پاک ہے:

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝﴾

(المائدة:۱۱)

"اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔"

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آیاتِ مذکورہ میں عبادت و تقویٰ کا حکم دیا ہے جو اختیارِ اسباب کا حصّہ ہے اور مکروہات سے بچنے کا ذریعہ بھی ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

((لَوْ اَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ ' تَغْدُوْ خِمَاصًا وَ تَرُوْحُ بِطَانًا)) (۳)

"اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ پر اس کے شایانِ شان بھروسہ کرتے تو وہ تمہیں بھی ویسے ہی رزق فراہم کرتا جیسے پرندوں کو رزق فراہم کرتا ہے' پرندے اپنے آشیانوں سے صبح کو خالی پیٹ نکلتے ہیں' اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔"

یعنی پرندے اسباب اختیار کرتے ہیں اور طلب معاش کے لیے ادھر سے ادھر آتے جاتے ہیں۔ درحقیقت متوکّل علی اللہ (یعنی اللہ پر بھروسہ رکھنے والا) تو وہ مؤمن ہے جو دنیا و آخرت میں اسبابِ سعادت و نجات اختیار کرتا ہے' اور رزق تلاش کرتا ہے' پھر اس کے لیے پیشہ اختیار کرتا ہے' اس اعتراف و اقرار کے ساتھ کہ اس کا پاک پروردگار ہی دراصل مسبب الاسباب ہے' اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو تو نہ درخت پھل آور ہو اور نہ تاجر فائدہ اٹھا سکے اور نہ چوپائے زندہ رہیں اور نہ ہی پیشہ و حرفت میسر ہو۔ تو جب بندہ اسباب کو اختیار کرتے ہوئے اپنے مالک حقیقی پر مکمل بھروسہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جگہ سے رزق مہیا کرتا ہے جہاں سے اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ پر بھروسہ رکھنے والے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں حرفت و پیشہ اختیار کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم لوگ دوسروں کا مال ہڑپ کرنے والے ہو۔ اس لیے بندے کو چاہیے کہ وہ اپنے توکل و اعتماد کو بے کاری کا بہانہ نہ بنائے' اور نہ اپنی عاجزی و بے بسی کو توکل کا نام دے۔

---

(۳) مسند احمد' ۳۰/۱ استاذ احمد شاکر نے حدیث کو صحیح کہا ہے' ح ۲۰۵۔ وسنن الترمذي' كتاب الزهد' باب التوكل على الله' ح ۲۳۴۴.

مرتکبِ کبیرہ کا حکم

سوال⑤ اہل السنّت والجماعت کے نزدیک مرتکبِ کبیرہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا اہل السنّت و الجماعت کے نزدیک فاسق یا ناقص الایمان ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرنا اور اس پر اصرار کرنا' نیز گناہِ کبیرہ کے خطرناک و سنگین ہونے کے باوجود اس بارے میں سُستی و کاہلی سے کام لینا (اور توبہ نہ کرنا) ہی کافی بڑا جرم ہے۔ اسی لیے ہمیں ڈر ہے کہ کہیں اس پر اللہ کا عذاب نہ آجائے' بلکہ ہمیں تو اس کے بارے میں کفر وارتداد (ایمان لانے کے بعد کفر میں پلٹ جانا) کا بھی اندیشہ ہے۔ چوں کہ گناہ کفر کی سیڑھی ہے (یعنی معاصی انسان کو بالآخر کفر تک پہنچا دیتے ہیں اور یہ معاصی (گناہ) صادر ہوتے رہتے ہیں اور دل پر ڈیرہ ڈال لیتے ہیں' نتیجتاً اس کا ایمان کمزور ہو جاتا ہے' اور جذبات کا زور انسان کو زنا' نشہ آور چیزوں (شراب نوشی وغیرہ)' گانا بجانا' تکبر اور گھمنڈ اور پھر مسلمانوں پر زیادتی کرنا مثلاً قتل و غارت گری' لوٹنا' چوری کرنا' ڈکیتی کرنا' تہمت زنا لگانا' میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اور پھر ان گناہوں کے استمرار و تسلسل کی وجہ سے طاعات و عبادات میں قلب و جوارح کی رفتار دھیمی پڑ جاتی ہے' نتیجتاً نماز' صدقہ اور دیگر عبادات بوجھ معلوم ہونے لگتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کسی انسان کا عباداتِ الٰہیہ کو بوجھ سمجھنا ہی اس کے دین سے خارج ہونے کے لیے کافی ہے۔ اور یہ خطرہ کی گھنٹی ہے اور احادیث میں بعض کبائر پر لفظ کفر استعمال کیا گیا ہے۔ شاید اس میں یہی راز پنہاں ہو' جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

((سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ كُفْرٌ))

"مسلمان کو گالی دینا اور برا بھلا کہنا فسق اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔"(۴)

نیز نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ :

((لَا يَزْنِي الزَّانِي حِيْنَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ...الخ))(۵)

"زنا کرنے والا زنا نہیں کرتا جس وقت وہ زنا کرتا ہے اس حال میں کہ وہ مؤمن ہو..."

(یعنی آدمی اُس وقت زنا کرتا ہے جب اس پر شیطانی شہوت غالب آ جاتی ہے اور اس کے دل سے ایمان و یقین اور اللہ کا خوف اٹھ جاتا ہے اور وہ بُرائی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اگر در حقیقت کسی انسان کے دل میں اللہ کا خوف ہو اور وہ یہ سمجھتا ہو کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے اور وہ ہمیں یقیناً اس کے بارے میں بروزِ قیامت باز پرس کرے گا تو وہ ہرگز بُرائی کے قریب نہیں جائے گا' چہ جائیکہ وہ بُرائی و فحش کاری کا ارتکاب کرے۔ مترجم)

تو ہم اہل السنّت والجماعت کا کہنا ہے کہ اس کردار کے آدمی کا ایمان ناقص ہے' یا پھر وہ اللہ' یوم آخرت' کتابوں اور رسولوں کی دل سے تصدیق کرنے کی وجہ سے مؤمن ہے' لیکن ارتکابِ گناہ اور اس معاملے میں سُستی کی وجہ سے وہ فاسق ہے' اور خوارج نے اس بارے میں تشدد سے کام لیا ہے' اور کبیرہ گناہ کرنے والے کو کافر قرار دیا ہے۔

اور معتزلہ نے کبیرہ گناہ کرنے والے کو خارج از ایمان تو قرار دیا ہے' لیکن

---

(۴) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر' ح ۶۴.

(۵) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان نقصان الایمان بالمعاصی.... ح ۵۷.

کافر نہیں کہا' لیکن یہ شخص معتزلہ کے نزدیک ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

البتہ فرقہ "مرجئہ" کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب کامل الایمان ہے' اور ان کے نزدیک ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کا کوئی نقصان نہیں' جیسا کہ کفر کے ساتھ عمل صالح نافع و مفید نہیں۔

اور اہل السنّت والجماعت نے راہِ اعتدال اختیار کرتے ہوئے اس کو فاسق قرار دیا ہے۔ اور ان کا یہ کہنا ہے کہ وہ آخرت میں مشیتِ الٰہی کے تحت ہو گا' یعنی اگر اس کو اس کے کبیرہ گناہ کے سبب جہنم میں داخل کر دیا گیا تو بالآخر وہ ضرور نجات پائے گا' خواہ کسی شفاعت کرنے والے کی شفاعت سے یا ارحم الراحمین کی رحمت سے۔ البتہ اس کو اپنے کیے کی سزا ضرور ملے گی۔

✪ ✪ ✪

مزاروں پر سجدہ کرنے اور ان کے نام پر ذبح کرنے کا حکم

سوال ⑥ مزاروں پر سجدہ کرنے' ان کے نام پر جانور ذبح کرنے اور چڑھاوا چڑھانے کا حکم کیا ہے؟

جواب: یہ ناجائز ہے' بلکہ یہ شرک اکبر ہے اور صاحب قبر کی عبادت اور اس جگہ کی تعظیم ہے۔ جس نے ایسا کیا اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا۔ اور اس معاملہ میں انبیاء علیہم السلام کی قبروں اور غیر انبیاء کی قبروں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

اور صحیح حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا کہ:

((لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِهِمْ مَسَاجِدَ)) (۶)

"اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا"۔

لہٰذا یہود و نصاریٰ نے جو بدترین کام انجام دیا تھا اس سے بچو۔ اور آپ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری لمحات میں یہ بھی فرمایا:

((اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ' فَاِنِّيْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ)) (۷)

"خبردار! قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا' اس لیے کہ میں تمہیں اس سے روکتا

(۶) صحیح مسلم' کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ' باب النهی عن بناء المساجد علی القبور' ح ۵۳۰۔

(۷) صحیح مسلم حوالہ سابقہ ح ۵۳۲۔

ہوں۔"

اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ قبروں کو تلاش کر کے ان کے قریب نماز ادا کرنا یا ان قبروں پر سجدہ کرنا دراصل ان قبروں کو سجدہ گاہ بنانا ہے' اس لیے کہ ہر وہ جگہ جہاں نماز ادا کی جائے اس کو مسجد کہا جاتا ہے' اگرچہ وہاں کوئی عمارت نہ بنی ہو۔

اس کام سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ جو شخص قبر کے پاس جاکر سجدہ کرتا ہے وہ یہ اعتقاد (عقیدہ) رکھتا ہے کہ صاحب قبر اُس کو نفع پہنچانے پر قادر ہے' خواہ اس کے عمل کو قبول کر کے' یا اس کے معاملہ کو آگے بڑھا کر' یا اس کے لیے سفارش کر کے۔ تو گویا اس آدمی نے مخلوق کے بارے میں وہ اعتقاد رکھا جو شرعاً جائز نہیں' اور اس نے اس مخلوق کو حقیقی مرتبے سے بڑا درجہ دے دیا۔
اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جب عام لوگ کسی معتبر شخص کو دیکھتے ہیں کہ وہ قبروں کے پاس جاکر دعاء مانگتا ہے' یا نماز پڑھتا ہے' یا قبر کے پاس اعتکاف کرتا ہے' یا اہلِ قبور (قبر والوں) سے دعا مانگتا ہے' نتیجتاً عامۃ النّاس دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں' اور اس کی پیروی کرنے لگتے ہیں' پھر وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس قبر میں ضرور کوئی راز پوشیدہ ہے تو وہاں ڈیرہ ڈال لیتے ہیں' اور اس کے پاس نماز ادا کرتے ہیں۔ تو یہ چیز انہیں آہستہ آہستہ صاحب قبر کی عبادت اور اللہ کے ساتھ اس سے بھی دعا مانگنے تک پہنچا دیتی ہے' یہی شرکِ اکبر ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے شرکِ اکبر سے بھی منع فرمایا اور ان کاموں سے بھی منع فرمایا جو انسان کو شرکِ اکبر تک پہنچا دیتے ہیں —— واللہ اعلم!

✪ ✪ ✪

اولیاء کے نام پر ذبح کرنے اور ان سے دعا مانگنے کا حکم

سوال ⑦ اولیاء اور پیروں کے نام پر جانور ذبح کرنے اور ان سے دعائیں مانگنے کا کیا حکم ہے؟ مثلاً پیر بدوی وغیرہ سے مانگنا؟

جواب: غیراللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا ناجائز ہے۔ غیراللہ 'مثلاً نبی' ولی' شہید' سید یا ان کے علاوہ کسی سے بھی دعا مانگنا جائز نہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ)) (۸)

"اللہ کی لعنت ہو اس شخص پر جو اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کے نام پر جانور ذبح کرے۔"

تو یہ ذبیحہ (جانور) ذبح کرنا سب کو شامل ہے' خواہ کسی قبر' مزار' درخت' پتھر' نظر بد کے لیے ہو یا یہ جانور کسی خاص جگہ پر ذبح کیا جائے جس سے برکت حاصل کرنا مقصود ہو۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ ان مقامات پر یا چیزوں کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں ان کا مقصد ان مقامات کو احترام و تعظیم دینا ہے۔ اور اس قسم کی تعظیم و تقدیس صرف اللہ کی ذات کے لیے ہے' لہٰذا یہ فعل حرام ہے اور وہ سارے جانور حرام ہو جاتے ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسرے کے نام پر ذبح کیے جاتے ہیں۔ اور اگر ذبح کرتے وقت اللہ عزّوجل کا نام لیا جائے تب بھی یہ جائز قرار نہیں دیا جائے گا' کیوں کہ اس ذبیحہ کا مقصد مخلوق کی تعظیم و تکریم کرنا مقصود ہوتا ہے' لہٰذا اس جانور کا گوشت کھانا بھی حرام ہو گا' جس طرح وہ جانور حرام ہیں

---

(۸) صحیح مسلم' کتاب الاضاحی' باب تحریم الذبح لغیر اللّٰہ ولعن فاعلہ' ح۱۹۷۸۔

جو بتوں یا پتھروں کے نام پر ذبح کیے جاتے ہیں' خواہ ذبح کرتے وقت اللہ پاک کا نام لیا گیا ہو۔ نیز اس میں وہ جانور بھی شامل ہے جس کو عیسیٰ مسیح علیہ السلام یا کسی خاص ولی کے نام پر ذبح کیا جائے' اس کا بھی کھانا شرعاً حرام ہے' خواہ وہ جانور بطورِ قربانی ہو یا بطورِ ہدیہ۔ افضل ترین ذبیحہ وہ ہے جس کو اللہ رب العالمین کی قربت حاصل کرنے کے لیے ذبح کیا جائے' جیسے قربانی یا منیٰ کی قربانی۔ پھر وہ جانور صحیح ہے جس کو بغرض گوشت ذبح کیا جائے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو۔ البتہ وہ جانور جو صرف کسی مخلوق کی تعظیم و تکریم کے لیے ذبح کیا جائے' یا ذبح کرتے وقت اس پر کسی مخلوق کا نام لیا جائے' تو یہ حرکت سراسر حرام ہے' اس جانور کا گوشت کھانا بھی حرام ہے۔

بدوی مصری اور اس کے علاوہ دوسرے لوگ' جیسے عبدالقادر جیلانی' ابنِ علوان' حسین اور ان جیسے دوسرے اولیاء اور پیروں سے دعا مانگنا اور ان کو پکارنا' نیز مصائب و شدائد پیش آنے کے وقت ان سے مدد طلب کرنا' یہ شرکِ اکبر ہے۔ اس لیے کہ سارے پیر و اولیاء خود مخلوق ہیں اور پالے گئے ہیں۔ یہ لوگ تو خود اپنی ذات کے لیے نفع و نقصان کے مالک نہیں' اور نہ موت و حیات ان کے ہاتھ میں ہے اور نہ خود اپنی مرضی سے دوبارہ اٹھیں گے' تو پھر کیسے یہ اُن افراد و اشخاص کے مالک ہو سکتے ہیں جو ان سے دعا مانگتے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝ ﴾
(الجن: ۱۸)

"اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کے لیے خاص ہیں' پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔"

سو اس میں اولیاء' انبیاء' ملائکہ' جن' مُردے اور ان جیسے دوسرے افراد سب

ہی شامل ہیں' جن کا عملی سلسلہ کٹ چکا ہو۔ اور خود اُن میں اپنے آپ کو نفع نقصان پہنچانے کی صلاحیت و قوت نہیں تو یہ لوگ کیسے ان لوگوں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں جو ان سے منت سماجت کرتے ہیں اور ان سے دعائیں مانگتے ہیں' بلکہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان کیلئے دعائے خیر کریں' اور ہم اپنی نمازوں میں ان متقی و پرہیز گار لوگوں کے حق میں دعا کریں' اور ہم ان کے اس سیرت و کردار کی اقتداء و پیروی کریں جس کے ذریعے وہ صالحین اور اولیاء اللہ میں سے ہو گئے۔

✪ ✪ ✪

تعویذ باندھنے کا حکم

سوال ⑧ اس تعویذ کے باندھنے یا استعمال کرنے کا کیا حکم ہے جس کے بارے میں یہ علم ہو کہ یہ قرآنی آیات پر مشتمل ہے؟

جواب: بعض صحابہ کرام' جیسے عبداللہ بن عمرو بن العاص' عائشہ رضی اللہ عنہم اور دیگر حضرات سے منقول ہے کہ تعویذ کا باندھنا یا استعمال کرنا جائز ہے' بشرطیکہ وہ تعویذ آیاتِ قرآنیہ یا اللہ پاک کے اسماء حسنٰی پر مشتمل ہوں' اور جن احادیث میں تعویذ کے استعمال کی ممانعت آئی ہے تو یہ وہ تعویذ ہیں جو شرکیہ کلمات پر مشتمل ہوں۔ جبکہ دوسرے صحابہ کرام' جیسے ابنِ عباس' ابنِ مسعود' حذیفہ اور ابنِ حکیم رضی اللہ عنہم ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ہر قسم کا تعویذ استعمال ہی نہ کیا جائے اور یہی مشہور روایت امام احمدؒ سے منقول ہے' اور عمومِ احادیث کی بنیاد پر یہی قول زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے' جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَلَا اَتَمَّ اللّٰهُ لَهٗ)) (۹)

"جو شخص تعویذ استعمال کرے' یا باندھے یا لٹکائے' اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے۔"

اور ایک دوسری حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

((مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَقَدْ اَشْرَكَ)) (۱۰)

"جس نے تعویذ لٹکایا بلاشبہ اس نے شرک کیا۔"

نیز ارشادِ نبویؐ ہے:

((مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ اِلَيْهِ)) (۱۱)

"جس نے تعویذ لٹکایا اس کو اسی کے حوالے کر دیا گیا۔"

اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے کسی آدمی کے تعویذ کو کاٹ دیا یا توڑ دیا' تو وہ ایک غلام آزاد کرنے کے برابر (اجر پاگیا) ہے۔ اور حضرت ابراہیم النخعی سے مروی ہے کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد' مثلاً علقمہ' اسود' مسروق اور عبیدۃ السلمانی وغیرہم ہر طرح کے تعویذ کو ناپسند فرماتے تھے' خواہ وہ تعویذ قرآن سے ہو یا قرآن کے علاوہ کوئی دوسری عبارت ہو۔ اور یہاں کراہت کا لفظ حرمت کے معنیٰ میں آیا ہے۔

---

(۹) المستدرك للحاكم ۲۱۶/۴' ۲۱۷' ومسند احمد ۱۵۴/۴. ضعفه الالبانی فی السلسلة الضعيفة' ح ۱۲۶۶.

(۱۰) مسند احمد ۱۵۶/۴' صححه الالبانی فی السلسلة الصحيحة' ح ۴۹۲.

(۱۱) مسند احمد ۳۱۰/۴. وسنن الترمذی' کتاب الطب' باب ماجاء فی کراهية التعليق. وسنن النسائی ' کتاب التحريم' باب الحكم فی السحرة' حسنه الالبانی فی تحقيق الترمذی ح ۲۱۶۷.

تعویذ سے منع کرنے کی دوسری وجہ اس راستے کو مطلقاً بند کرنا ہے' تاکہ لوگ قرآن حکیم کے علاوہ دوسرے کلام پر مشتمل تعویذ کا استعمال نہ شروع کردیں۔

اور یہ کام اس لیے بھی منع کیا گیا ہے کہ تعویذ سے دل کا تعلق ہو جاتا ہے' حالانکہ یہ تعویذ کسی کاغذ' کپڑے' چمڑے' دھاگے یا ان جیسی دوسری چیزوں پر مشتمل ہوتے ہیں' اور جو اپنا تعلق کسی مخلوق سے بنالیتا ہے وہ اسی کے سپرد کیا جاتا ہے۔

نیز اس لیے بھی منع کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص تعویذ کو کسی بچّے کے گلے میں لٹکائے گا تو وہ ضرور اس کی بے حرمتی کرے گا' بایں طور کہ وہ بچہ اس تعویذ کو لے کر غسل خانہ' بیت الخلاء اور اس کے علاوہ دوسری گندی و غیر مناسب جگہوں میں جائے گا جہاں کلامِ الٰہی کو لے جانا اس کی بے حرمتی اور بے عزتی ہے۔ اور مذکورہ مروجہ تعویذ (جن کو لوگ عصر حاضر میں بالعموم استعمال کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ' دعاؤں اور اذکار کے ذریعے دم کرنے کے خلاف ہیں' کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ

((لَا بَأْسَ بِالرُّقٰی مَالَمْ تَکُنْ شِرْکًا)) [۱۲]

"دم (جھاڑ پھونک) میں کوئی حرج نہیں' جب کہ اس میں شرکیہ کلمات نہ ہوں (یا شرک کا شائبہ نہ ہو)"

دم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ قاری (پڑھنے والا) آیاتِ قرآنیہ کو پڑھ کر معمولی تھوک کے ساتھ پھونک مارتا ہے' نیز یہ دم قاری اور جگہ کی مناسبت سے ہوتا ہے ـــــ واللہ اعلم!

---

(۱۲) صحیح مسلم' کتاب السلام' باب لاباس بالرقی مالم یکن فیہ=

نجومیوں کے پاس جانے کا حکم

سوال ⑨ نجومیوں اور ٹونہ ٹوٹکہ کرنے والوں کے پاس جانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ جائز نہیں' اس لیے کہ اس سلسلہ میں واضح طور پر منع کیا گیا ہے' بلکہ شدید وعید (دھمکی) آئی ہے۔ صحیح مسلم میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَتٰی عَرَّافًا فَسَاَلَهُ عَنْ شَیْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا)) (۱۳)

"جو شخص کسی کاہن و نجومی کے پاس جا کر کسی چیز کے متعلق صرف دریافت کرے تو (بطور سزا) اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں ہوگی۔"

ذرا غور کیجئے' سوال کرنے والے کی اگر یہ سزا ہے تو عراف (کاہن و نجومی) کا اپنا انجام کیا ہوگا؟

اور امام احمد اور دیگر ائمہ محدثین رحمہم اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَتٰی عَرَّافًا اَوْ کَاهِنًا' فَصَدَّقَهُ بِمَا یَقُوْلُ' فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ)) (۱۴)

= شرك' ح ۲۲۰۰. وسنن ابی داؤد' کتاب الطب' باب فی الرقی' ح ۳۸۸۶.

(۱۳) صحیح مسلم' کتاب السلام' باب تحریم الکهانة واتیان الکهان' ح ۲۲۳۰.

(۱۴) مسند احمد ۲/۴۰۸' احمد شاکر نے صحیح کہا ہے۔ ح ۹۲۷۹' اور تمام سنن =

"جو شخص کسی کاہن یا نجومی کے پاس جائے اور اس کی بتائی ہوئی باتوں کو دل سے مان لے تو بلاشبہ اس نے محمد ﷺ پر نازل شدہ قرآن حکیم کے ساتھ کفر کر دیا۔"

دیگر متعدد احادیث میں یہی وعید بیان ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کاہن علمِ غیب کا دعویٰ کرتا ہے' حالانکہ یہ علم صرف اللہ کے پاس ہے' اس کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔ اور کاہن کے لیے ضروری ہے کہ وہ شیاطین اور سرکش جِنوں سے رابطہ رکھے' پھر وہ اللہ کو چھوڑ کر انہیں (جن و شیاطین کو) پکارے۔ اس طرح شیاطین اور جن اس کی خدمت میں لگ جاتے ہیں اور اسے چوری کا سامان' گم شدہ چیز کی جگہ' جادو کی جگہ اور دوسری باتیں بتادیتے ہیں۔

شیطانوں اور جنوں سے رابطہ بنانے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ کاہن ان کے نام پر جانور ذبح کرتا ہے' یا ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے یا پھر وہ کسی دوسرے ناجائز فعل کا ارتکاب کرتا ہے' یا وہ ایسی غلیظ و ناپاک چیز کھاتا ہے یا اس سے ملتے جلتے دوسرے کام کرتا ہے جن کو شیاطین پسند کرتے ہیں۔ یہ کام یا تو از خود کفر ہوتے ہیں یا شرک کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کاہنوں اور نجومیوں کی اکثر و بیشتر باتیں جھوٹ پر مشتمل ہوتی ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ شیاطین جن باتوں کو آسمان سے چوری چھپے سن لیتے ہیں وہ ان تک پہنچاتے ہیں' پھر یہ کاہن و نجومی ایک صحیح بات میں سو جھوٹ ملا کر بتاتے ہیں۔

اور جہاں تک شعبدہ بازی کا تعلق ہے تو یہ جادوگروں کا وہ عمل ہے جس کے ذریعے یہ لوگ عوام الناس کے سامنے جعل سازی کرتے ہیں اور ان کے

= میں بھی یہ حدیث موجود ہے' تفصیل مزید کے لیے ملاحظہ ہو ارواء الغلیل للالبانی ۷/۶۸' ح ۲۰۰۶۔

سامنے ایسی شکل ظاہر کرتے ہیں جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

اسی شعبدہ بازی میں سے ایک جادوگر کا قصہ ہے کہ اس نے ایک آدمی کا سر کاٹ کر الگ کیا' پھر اس کو جوڑ دیا' نتیجتاً حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے اس جادوگر کو قتل کر دیا' جس کی بنیاد فرمانِ رسول ﷺ ہے کہ :

((حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبُهُ بِالسَّيْفِ)) (۱۵)

"جادوگر کی سزا تلوار سے اس کی گردن اڑا دینا ہے۔"

تاکہ ان کے مکرو فریب' جعل سازی اور گھڑی ہوئی چیزوں سے لوگ دھوکہ میں نہ پڑ جائیں۔ ایسے لوگوں کو کھلا چھوڑنا بھی جائز نہیں' اور نہ ہی ان کے قول کی تصدیق جائز ہے' بلکہ ان جادوگروں کی سزا جمہور علماء کے نزدیک قتل ہے اور ان سے توبہ کا مطالبہ بھی نہ کیا جائے۔

پس جو شخص بھی ان جادوگروں کے پاس گیا اور ان کے قول و فعل کی تصدیق کی تو اس نے ان کو کفر پر قائم رہنے دیا۔ چنانچہ اس شخص کے لیے بھی سخت وعید ہے ـــــ واللہ اعلم !

✪ ✪ ✪

---

(۱۵) سنن الترمذی' کتاب الحدود' باب ماجاء فی حد الساحر' ح ۱۴۶۰۔ اگرچہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن دوسری حدیثوں سے اس حکم کی تائید ملتی ہے۔

قبروالی مسجد میں نماز کا حکم

سوال ⑩ جن مسجدوں میں قبریں بنی ہوئی ہوں ان میں نماز پڑھنے کا حکم کیا ہے؟

جواب: ان میں نماز پڑھنا درست نہیں' بلکہ اس نماز کو دہرانا ضروری ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

((اَلْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ اِلاَّ الْمَقْبَرَةُ وَالْحَمَّامُ)) (١٦)

"سوائے قبرستان اور حمام کے ساری زمین مسجد ہے۔"

اس حدیث کو امام احمد اور اہلِ سنن نے روایت کیا ہے اور امام حاکم وغیرہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

امام ابن ابی شیبہ اور امام عبدالرزاق نے اپنے اپنے مصنّف میں حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' حضرت اَنس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

رَآنِيْ عُمَرُ وَاَنَا اُصَلِّيْ اِلٰى قَبْرٍ' فَجَعَلَ يَقُوْلُ: يَا اَنَس اَلْقَبْرَ' وَفِيْ لَفْظٍ: اَلْقَبْرُ اَمَامَكَ' فَنَهَانِيْ (١٧)

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے ایک قبر کے پاس نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا تو

---

(١٦) مسند احمد ٩٦/٣. وسنن ابی داوٗد' کتاب الصلاة' باب فی المواضع التی لا تجوز فیها الصلاة' ح ٤٩٢. وسنن الترمذی' کتاب الصلاة' باب ماجاء ان الارض کلها مسجد الا المقبرة والحمام' ح ٣١٧' حدیث صحیح ہے۔

(١٧) مصنف ابن ابی شیبة ١٥٥/٢' کتاب الصلاة' باب ٦٦٥' ح ٧٥٧٤/٧٥٧٥' ومصنف عبدالرزاق ٤٠٤/١' ح ١٥٨١.

فرمایا: اے انس! یہ قبر ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں وارد ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے انس! تمہارے سامنے قبر ہے۔ اس طرح انہوں نے مجھے اس جگہ نماز ادا کرنے سے روک دیا۔"

امام ابنِ حبانؒ اور امام بزارؒ نے حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ :

((اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى اَنْ يُّصَلّٰى بَيْنَ الْقُبُوْرِ)) (۱۸)

"رسول اللہ ﷺ نے قبروں کے درمیان نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے"

اکثر فقہاء نے لفظ جمع کو بنیاد بناتے ہوئے اس بات کی اجازت دی ہے کہ جہاں ایک قبر یا دو قبریں ہوں تو وہاں نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ اور بعض فقہاء نے یہ علّت بیان کی ہے کہ قبروں والی جگہ پر نماز پڑھنے سے اس لیے ممانعت آئی ہے کہ وہاں مُردوں کے پیپ اور ان کے جسموں کے سڑنے گلنے کی وجہ سے جو بُو آتی ہے اس وجہ سے یہ جگہ ناپاک سمجھی جاتی ہے۔

لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں ان فقہاء کا تعاقب کیا ہے، جیسا کہ آپ کی کتاب "اقتضاء الصّراط المُستقیم" (ص ۳۳۲) اور کتاب "الاختیارات" (ص ۴۴) اور کتاب "مجموع الفتاویٰ" (۵۲۱/۴) (۱۹۰/۱۱) (۵۰۲/۱۷) میں مذکور ہے۔ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قبروں کے پاس نماز پڑھنے سے روکنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ کہیں لوگ ان قبروں کو بتوں کی طرح پوجنے نہ لگ جائیں، اور یہی وہ علّت ہے جس نے اکثر و بیشتر لوگوں کو یا تو شرکِ اکبر میں مبتلا کر دیا ہے یا پھر شرکِ اصغر میں۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اس

---

(۱۸) صحیح ابن حبان ۸۸/۲، ح ۲۳۱۵، والبزار (کشف الاستار) ۲۲۱/۱، ح ۴۴۲، ۴۴۳.

مسئلہ پر ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں قبروں کو مساجد بنانے کی ممانعت آئی ہے' جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((اَلاَ فَلاَ تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ' فَاِنِّیْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ)) (۱۹)

"خبردار! قبروں کو مسجد (سجدہ گاہ) نہ بنانا' میں تم کو اس سے روک رہا ہوں۔"

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ چنانچہ اگر یہاں (قبروں کے پاس نماز پڑھنے سے ممانعت کی) علّت نجاست کا خطرہ ہوتی تو جناب رسول اللہ ﷺ انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مسجد بنانے سے نہ روکتے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا:

((لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى' اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِهِمْ مَسَاجِدَ)) (۲۰)

"کہ یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو' اس لیے کہ انہوں نے اپنے انبیاء (علیہم السلام) کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔"

اور صحیح مسلم میں حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ

((اَلاَ وَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ)) (۲۱)

---

(۱۹) صحیح مسلم' کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ' باب ۳' ح ۵۳۲.

(۲۰) صحیح مسلم' حوالہ سابقہ' ح ۵۲۹.

(۲۱) صحیح مسلم' ح ۵۳۲.

"سنو! تم سے پہلے لوگوں نے اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجد (سجدہ گاہ) بنا لیا تھا۔ (لیکن تم کبھی بھول کر بھی ایسا نہ کرنا... الخ")

اور یہ تو بالکل واضح بات ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسم مبارک گلتے سڑتے نہیں ہیں، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے، چنانچہ زمین بھی ناپاک نہیں ہوتی۔ تو اب یہ بات ظاہر ہو گئی کہ ان قبروں کے پاس نماز پڑھنے سے اس لیے روکا گیا ہے کہ اس میں غلو وافراط کا اندیشہ ہے، اور یہ خطرہ بھی پیش نظر تھا کہ کہیں لوگ ان قبروں کو بتوں اور مورتیوں کی طرح پوجنا نہ شروع کر دیں ـــــ واللہ اعلم!

✪ ✪ ✪

قبرِ اطہر کی زیارت کی نیت سے سفر

سوال (۱۱) کچھ لوگ محض نبی کریم ﷺ کے روضۂ مبارک کی زیارت کے ارادے سے مدینہ جاتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: صرف نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے مدینہ کا سفر کرنا جائز نہیں' البتہ مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کی غرض سے مدینہ منورہ کا سفر کرنا جائز ہے' اس لیے کہ مسجد نبوی ان تین مقدس مسجدوں میں سے ایک ہے جن کے لیے سفر کرنے کی اجازت ہے' اور مسجد حرام کو چھوڑ کر مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب دیگر تمام مسجدوں میں ادا کی جانے والی ہزار نمازوں کے برابر ہے۔

اور ان تین مسجدوں' یعنی مسجدِ حرام' مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ کے علاوہ کسی دوسری مسجد کی طرف بنیتِ ثواب سفر کی اجازت نہیں۔ چنانچہ اس ممانعت میں پورا خطۂ ارض اور تمام قبریں داخل ہیں' لہٰذا ان جگھوں اور قبروں کے پاس نماز پڑھنے' برکت حاصل کرنے یا عبادت کی غرض سے سفر درست نہیں۔

البتہ قبرستان کی زیارت میں یہ حکمت ہے کہ قبرستان کی زیارت سے آخرت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے' اور آخرت کی یاد دہانی کسی بھی شہر کے قبرستان میں جانے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ کوئی بھی شہر یا گاؤں قبرستان سے خالی نہیں ہے' اور ان قبروں کی زیارت سے آخرت کی یاد تازہ ہو سکتی ہے' اور اہلِ قبرستان کو (زیارت کرنے) آنے والوں کی دعا سے فائدہ ہوتا ہے۔

البتہ نبی کریم ﷺ کے روضۂ اطہر کی بات اور ہے' چنانچہ اس کو عید بنانے سے منع کیا گیا ہے' جیسے عید بار بار آتی ہے اسی طرح بار بار اس قبر کی زیارت سے

روکا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبویؐ ہے :

((لاَ تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا، وَصَلُّوْا عَلَیَّ حَیْثُ کُنْتُمْ، فَاِنَّ صَلاَتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُ کُنْتُمْ)) (۲۲)

"میری قبر کو عید نہ بناؤ' اور جہاں بھی تم رہو مجھ پر درود و سلام بھیجو' تم جہاں کہیں بھی ہو گے تمہارا درود و سلام مجھ تک پہنچ جائے گا۔"

نیز نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ :

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلاَّ رَدَّ اللّٰهُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلاَمَ)) (۲۳)

"جب کوئی مسلمان مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ عزوجل میری روح کو واپس بھیجتا ہے تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دے سکوں۔"

خواہ مسلمان دور رہو یا قریب' یہ حکم نبوی سب کو شامل ہے۔

البتہ جو احادیث نبی کریم ﷺ کی زیارتِ قبر کی فضیلت میں بیان ہو رہی ہیں وہ سب کی سب یا تو ضعیف ہیں یا من گھڑت۔ بعض من گھڑت (موضوع) احادیث کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں :

"جس نے میرے مرنے کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔"

دوسری موضوع حدیث یوں ہے :

---

(۲۲) سنن ابی داؤد' کتاب المناسك' باب زیارة القبور' ح ۲۰۴۲۔ و مسند احمد ۳۶۷/۲۔ محدث العصر الالبانی ؒ نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۲۳) مسند احمد ۵۲۷/۲۔ سنن ابی داؤد' کتاب المناسك' باب زیارة القبور' ح ۲۰۴۱۔ علامہ البانی ؒ نے حدیث کو حسن کہا ہے۔

"جس نے میری قبر کی زیارت کی ـــ یا ـــ جس نے میری زیارت کی میں اس کے لیے سفارش کرنے والا یا گواہی دینے والا بنوں گا۔"

تیسری موضوع حدیث یوں بیان کی جاتی ہے:

"جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے حق میں میری شفاعت (سفارش) واجب ہو گئی۔"

چوتھی من گھڑت یہ حدیث بیان کی جاتی ہے:

"جس کسی نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے مجھ پر زیادتی کی"

یہ مذکورہ بالا ساری احادیث بے بنیاد اور باطل ہیں جن کی سرے سے کوئی حقیقت نہیں' علماء کرام ان احادیث کے بے اصل و بے بنیاد ہونے کو واضح کر چکے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اخنائی کی تردید کی ہے۔ اسی طرح ابنِ عبدالهادی نے سبکی کی تردید کی ہے۔ نیز آلوسی نے نبہانی کی تردید کی ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں کے دھوکے میں نہیں آنا چاہئیے جو اِن ضعیف یا موضوع احادیث کو رواج دے رہے اور پھیلا رہے ہیں اور انہی کا ترجمہ کر کے چھاپ رہے ہیں۔

ہماری گفتگو سے یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی خاطر سفر سے روکنے کا مطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت کو کم کرنا مقصود ہے۔ ایسی بات نہیں' بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت و محبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والوں اور پیروی کرنے والوں کے دل و جان میں بیٹھی ہوتی ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے دُوری سے یہ محبت کسی طرح کم نہیں ہو سکتی ـــ واللہ اعلم!

✪ ✪ ✪

قبر پر علامت (نشانی) رکھنے کا حکم

سوال ⑫ قبر پر لوہا یا لکڑی بطورِ علامت رکھنے کا حکم کیا ہے؟ تاکہ اس علامت کے ذریعے صاحبِ قبر کو پہچانا جاسکے۔

جواب: اس میں کوئی حرج کی بات نہیں' اس لیے کہ امام ابو داؤد نے حدیث (۳۲۰۶) میں مطلب بن عبداللہ بن منطب سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عثمان بن مظعون کو وفات کے بعد دفن کیا گیا تو جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ ایک پتھر لے کر آئے' جب وہ پتھر لے آیا تو آپ ﷺ نے اس پتھر کو عثمان بن مظعون کے سر کے پاس بطورِ علامت کے رکھ دیا اور فرمایا:

((اَتَعَلَّمُ بِهَا قَبْرَ اَخِيْ وَاَدْفِنُ اِلَيْهِ مَنْ مَّاتَ مِنْ اَهْلِيْ)) [۲۴]

"میں اس علامت کے ذریعے اپنے بھائی کی قبر کو پہچان سکوں گا اور میرے اہل و عیال میں سے جو بھی انتقال کر جائے میں اسے عثمان بن مظعون کے پاس ہی دفن کروں گا۔"

اس حدیثِ مذکور سے ابو داؤد رحمہ اللہ نے سکوت اختیار کیا ہے اور یہ حدیث ان کے نزدیک صالح ہے' یعنی یہ حدیث ابو داؤد کے نزدیک قابلِ حجت و استدلال ہے۔ یہ علامت اس غرض سے رکھی جاتی ہے تاکہ زیارت کے وقت میت کو پہچانا جاسکے' اور اس لیے بھی تاکہ قبر کی زیارت کرنے والا شخص دعا کر سکے اور اس کے پڑوس میں دوسرے اقارب و اعزہ کو دفن کر سکے' تاکہ ان سب کی زیارت آسان ہو جائے۔ اور یہ علامت پتھر' اینٹ' لکڑی وغیرہ سے رکھی جاسکتی ہے' نیز

---

(۲۴) سنن ابی داؤد' کتاب الجنائز' باب فی جمع الموتی فی قبر والقبر یعلم' ح۳۲۰۶.

یہ (علامت) صاحبِ قبر کے سر کے پاس یا اس کے کسی پہلو میں رکھی جائے گی۔

البتہ قبروں پر عمارت تعمیر کرنا منع ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ :

((نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّقْعَدَ عَلَى الْقَبْرِ' وَاَنْ يُّجَصَّصَ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ)) وفی روایةٍ ((وَاَنْ يُّزَادَ عَلَيْهِ' وَاَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْهِ))

"رسول اللہ ﷺ نے قبر پر بیٹھنے' اس کو پلستر کرنے اور اس پر عمارت تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔"

اور ایک دوسری روایت ہے کہ : "آپ ﷺ نے قبر پر اضافی مٹی ڈالنے اور کچھ تحریر کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔"

امورِ مندرجہ بالا سے روکنے کا معنی ہے کہ یہ حرام ہیں' اور اس کی حکمت یہ ہے کہ یہ چیزیں فتنے کی بنیاد بنتی ہیں' اس لیے کہ جب عوام الناس دیکھیں گے کہ اس قبر کو دوسری قبروں کے مقابلے میں اونچا بنایا گیا ہے' یا اسے چونے سے لیپ دیا گیا ہے' یا اس قبر پر کوئی ایسی چیز تحریر ہے جو میت کی مدح وستائش یا بے جا تعریف پر مبنی ہے' تو پھر ایسی قبر کو اس بات سے محفوظ رکھنا مشکل ہے کہ عام لوگ اس کے پاس نہ جائیں اور پھر وہاں محفل نہ سجائیں اور صاحب قبر کے بارے میں ولایت اور فضل کا اعتقاد نہ رکھیں۔ اور یہ ساری باتیں میت کی تعظیم و تقدیس' تکریم و توقیر' صاحب قبر سے دعا مانگنے' قبر کی خاک سے برکت حاصل کرنے اور قبر کے پاس اعتکاف کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔ اور اس طرح کے خرافات ان ملکوں میں زیادہ پائے جاتے ہیں جہاں جہالت زیادہ ہوتی ہے' اور ان ملکوں میں شرک عام ہو چکا ہے۔ وہاں مُردوں کی عبادت کی جاتی ہے' ان سے دعائیں مانگی

جاتی ہیں' مُردوں کے نام پر جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ اور یہ تمام شرکیہ افعال کی بنیاد مُردوں کا بلاوجہ درجہ بلند کرنے' ان کی قبروں کو اونچا کرنے' یا پھر شیطان کے پٹی پڑھانے کی وجہ سے ہے۔ اور شیطان عوام الناس کو یہ پٹی پڑھاتا ہے کہ شاید اس قبر میں کوئی ولی یا شہید ہے۔ اور یہی حرکتیں عام لوگوں کے لیے فتنہ و دھوکہ کا سبب بنتی ہیں ــــ واللہ اعلم!

✪ ✪ ✪

میت کی طرف سے صدقہ کرنا

سوال ⑬ بھائی کا اپنے فوت شدہ بھائی کی طرف سے صدقہ کرنے کا کیا حکم ہے اور کیا صدقہ کا ثواب میت کو پہنچے گا؟

جواب: ایسا کرنا سُنت اور مستحب ہے' اور یہ حکم صرف بھائی کے ساتھ خاص نہیں ہے' بلکہ ہر قریبی رشتہ دار اور ہر مسلمان صدقہ کر سکتا ہے' جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث (۲۷۵۶) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ' اِنَّ اُمِّيْ تُوُفِّيَتْ وَاَنَا غَائِبٌ عَنْهَا' أَ يَنْفَعُهَا شَيْءٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا؟ قَالَ: ((نَعَمْ)) (۲۵)

"اے اللہ کے رسول! میری ماں فوت ہو گئی ہے اور میں اس کے پاس موجود نہ تھا' تو اگر میں اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کو فائدہ ہو گا؟ تو جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں!"

(۲۵) صحیح البخاری' کتاب الوصایا' باب ۲۷/۲۰/۱۵.

نیز امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث (۲۷۶۰) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ :

اَنَّ رَجُلاً قَالَ : یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اُمِّیْ اِفْتَلَتَتْ نَفْسُھَا وَاَرَاھَا لَوْ تَکَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ ' اَفَاَتَصَدَّقُ عَنْھَا؟ قَالَ : ((نَعَمْ ' تَصَدَّقْ عَنْھَا)) [۲۶]

"ایک آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! میری والدہ کو اچانک موت آگئی اور وہ کچھ بول نہ سکی' میرا خیال ہے کہ اگر وہ کچھ بولنے کا موقع پاتی تو ضرور صدقہ کرتی' تو کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کردوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں' تم ان کی طرف سے صدقہ کرو!"

مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ صدقہ کا اجر و ثواب میت کو پہنچ جاتا ہے' اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص میت کے حق میں دعا کرے تو یہ میت کے لیے نفع بخش ہے' خواہ یہ دعا نماز جنازہ پڑھتے وقت کی جائے' یا دفن کرنے کے بعد' یا بوقتِ زیارت' یا غائبانہ طور پر' بہر صورت میت تک دعاؤں کا ثواب پہنچ جاتا ہے۔ عمومی دلائل اس حکم کو واضح کرتے ہیں۔

اور جس صدقہ کا ثواب میت تک پہنچتا ہے اس میں ایک قربانی ہے' خواہ میت نے وصیت کی ہو یا زندہ نے اپنی خوشی سے میت کی طرف سے قربانی کی ہو' بہرحال میت کے لیے قربانی کا عظیم اجر ہے' جیسا کہ احادیث میں آیا ہے' لہٰذا جب قربانی کی نیت میت کے لیے کی جائے تو اس کا اجر میت کو پہنچ جاتا ہے۔

جن نیک کاموں کا اجر میت کے لیے ہدیہ کیا جاسکتا ہے ان میں حج و عمرہ بھی

---

(۲۶) صحیح البخاری' کتاب الوصایا' باب ۱۹۔

شامل ہے' جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

((حُجَّ عَنْ اَبِيْكَ وَاعْتَمِرْ)) (۲۷)

"اپنے باپ کی طرف سے حج اور عمرہ کرو۔"

جہاں تک قرآن خوانی' اذکار و وظائف' نماز' روزہ' اعتکاف یا اس جیسے جسمانی یا زبانی اعمال کے ذریعے ثواب پہنچانے کا معاملہ ہے' تو اس میں اختلاف بہت مشہور ہے' بعض اہلِ علم نے اس طرح ثواب پہنچانے سے روکا ہے۔ ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝﴾ (النجم: ۳۹)

"اور یہ کہ ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اُس نے کی۔"

لیکن جمہور اہل علم نے اجازت دی ہے۔ فقہاء کا کہنا ہے کہ ہر نیکی کا ثواب متعلقہ شخص کو مل کر رہے گا' خواہ مسلمان نے ثواب زندہ کے نام سے بھیجا ہو یا میت کے نام پر۔

اور یہ اس وجہ سے کہ ثواب کا ہدیہ پانے والے نے یہ ثواب اپنے حسنِ سلوک یا رشتہ داری کی بنیاد پر حاصل کیا ہے۔ صورتِ معاملہ یوں ہے کہ ثواب ہدیہ کرنے والے نے اپنی نیکی اللہ پاک کی رضامندی و خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر کی تھی' نیز اس کو یہ بھی علم تھا کہ اس نیکی کا ثواب اس کو اللہ کی طرف سے ملے گا' لہٰذا اس نے اپنی نیکی کا ثواب اپنے کسی دوست یا قریبی رشتہ دار کے نام پر ہدیہ کر دیا' بنابریں اس نیکی کا اجر و ثواب متعلقہ فرد تک پہنچنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی —— واللہ اعلم!

(۲۷) سنن الترمذی' کتاب الحج' باب ۸۷' ح ۹۳۰. وسنن ابی داؤد'

مخصوص دنوں میں قبرستان کی زیارت

سوال ⑭ کچھ لوگ قبرستان کی زیارت کے لیے جُمعہ اور عیدین کے دنوں کو متعین کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: کسی خاص دن کو متعین کئے بغیر زیارت قبرستان کی اجازت ہے، اور یہ حکم احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے۔

آغازِ اسلام میں نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو قبرستان جانے سے منع کر دیا تھا کہ مبادا لوگ غلو کریں یا اوصاف بیان کر کے روئیں اور نوحہ کریں، لیکن جب آپ ﷺ مطمئن ہو گئے کہ لوگوں کو احکام کا علم ہو گیا ہے تو آپ ﷺ نے انہیں قبرستان کی زیارت کی اجازت دے دی۔

اور آپ ﷺ نے زیارتِ قبرستان کے فوائد اس طرح بیان کیے کہ:

(۱) آخرت کی یاد دہانی ہوتی ہے۔ (۲) دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے۔ (۳) مُردوں کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے اور ان کے لیے رحمت طلب کرنے میں ثواب ہی ثواب ہے۔ نبی کریم ﷺ نے زیارتِ قبرستان کے وقت فحش گوئی اور بدکلامی سے منع فرمایا ہے۔

زیارتِ قبرستان کی اجازت کے سلسلے میں احادیث جامع الاصول (۱۱/ ۱۵۲) میں بروایت حضرات بریدہ، ابو ہریرہ اور اُمِّ عطیہ رضی اللہ عنہم دیکھی جا سکتی ہیں، نیز انہی احادیث کو جامع الاصول کے مؤلف نے (۳/ ۳۶۴) اور (۵/ ۱۵۸) میں ذکر کیا ہے، جو حضرات ابو سعید اور بریدہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں۔

اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے (ح ۱۵۷۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے

= كتاب المناسك، باب الرجل يحج عن غيره، ح ۱۸۱۰.

روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ' فَزُوْرُوْهَا' فَإِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْآخِرَةَ)) وإسناده حسن (۲۸)

"میں نے تمہیں زیارتِ قبرستان سے روکا تھا' پس تم لوگ قبرستان کی زیارت کیا کرو' اس طرح دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور آخرت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے" ـــــ اس کی سند حسن ہے۔

اسی طرح امام الہیثمی نے مجمع الزوائد (۳/۵۷) میں حضرات ابو سعید' اُمِّ سلمہ' عائشہ' زید بن الخطاب' علی' زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور دوسرے صحابہ سے زیارتِ قبرستان کی اجازت کے سلسلے میں چند احادیث ذکر کی ہیں۔

(ان اجازتِ عامہ کی احادیث کے بعد کچھ احادیث بیان کی ہیں جن میں مخصوص دنوں میں زیارت قبرستان کا تذکرہ ہے اور یہ سب کی سب شدید ضعیف' بلکہ موضوع ہیں' لہٰذا مخصوص دنوں میں زیارتِ قبرستان کا ثبوت نہیں۔ چنانچہ احتیاط کرنی چاہیے۔ اضافہ از مترجم)

اب ذرا غیر ثابت شدہ احادیث ملاحظہ فرمائیں:

پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

"جس نے ہر جمعہ کو اپنے والدین یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی قبر پر حاضری دی تو اس کے گناہوں کو بخش دیا جاتا ہے اور اس کا نام فرماں برداروں میں لکھا جاتا ہے۔"

طبرانی نے اس حدیث کو اوسط اور صغیر میں روایت کیا ہے' اور اس میں

---

(۲۸) سنن ابن ماجة' كتاب الجنائز' باب ماجاء في زيارة القبور.

عبدالکریم ابو اُمیہ ضعیف راوی ہے[۲۹]۔ حقیقتاً حدیث موضوع ہے۔

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ: "عیدین کے موقع پر قبرستان کی زیارت کے لیے جانا سنّت ہے"۔ اسے طبرانی نے اوسط میں نقل کیا ہے' اور اس حدیث کی سند میں حارث اعور ضعیف راوی ہے (بلکہ شدید ضعیف ہے)۔

اور ابن رجب نے "احوالِ قبور" نامی کتاب میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال نقل کیے ہیں کہ جو شخص جمعہ یا ہفتہ کو قبرستان کی زیارت کو جائے تو مُردے اسے پہچان لیتے ہیں۔ ان اقوال کے صحیح ہونے میں اختلاف ہے۔ عام طور پر ایسی باتیں خواب' خیال اور ذاتی رائے کی بنیاد پر بیان کی جاتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

✪ ✪ ✪

---

(۲۹) ضعیف الجامع الصغیر وھو موضوع ۵۶۰۵.

نبی اور امانت کی قسم کھانے کا حکم

سوال⑮ نبی یا امانت کی قسم کھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: کسی مخلوق کی قسم کھانا جائز نہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ کَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ اَوْ لِيَصْمُتْ)) (۳۰)

"جسے قسم کھانا ہو تو وہ اللہ عزّوجل کی قسم کھائے' ورنہ خاموش رہے۔"

نیز مسند احمد اور سنن ترمذی میں بھی انہی سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ کَفَرَ اَوْ اَشْرَكَ)) (۳۱)

"جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی تو بلاشبہ اس نے کفر کیا یا شرک کیا۔"

(اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے اور امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے)۔ امام حاکم نے یوں بھی روایت کیا ہے:

((کُلُّ يَمِينٍ يُحْلَفُ بِهَا دُونَ اللّٰهِ شِرْكٌ)) (۳۲)

"ہر وہ قسم جو ماسوا اللہ کے نام پر کھائی جائے شرک ہے۔"

---

(۳۰) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب لا تحلفوا بآباء کم' ح ۶۲۷۰.

(۳۱) مسند احمد ۱۲۵/۲' ح ۶۰۷۲' حدیث صحیح ہے۔ وسنن الترمذی' کتاب النذور والایمان' باب ماجاء فی کراهية الحلف بغير اللّٰه' ح ۱۵۳۵.

(۳۲) المستدرک للحاکم ۱۸/۱' کتاب الایمان. حدیث صحیح ہے۔

اور یہ اس لیے کہ قسم کھانے والا جب کسی کے نام کی قسم کھاتا ہے تو اس کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اس کا بڑا اونچا مقام ہے۔ سو وہ اس قسم کے ذریعہ اس کی عظمت کو ظاہر کرتا ہے۔ اور وہ جس کے نام پر قسم کھاتا ہے اس کو ساری مخلوق سے بڑا درجہ دیتا ہے۔ اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ تعظیم و تقدیس تو صرف اللہ رب العزت کا مقام ہے' کسی اور کے لیے نہیں' اور اللہ پاک کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک اسم "العظیم" ہے' جس کی تعظیم و تکریم اس کے بندوں پر واجب ہے۔ خود اللہ جل جلالہ نے اپنا وصف عظمت و جلال اور عزت کے الفاظ سے بیان کیا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ اللہ عزوجل کے سامنے سر تسلیم خم کریں' اور اسی کے روبرو عجز و انکساری' نیازمندی و خاکساری کا اظہار کریں' اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حیثیت کے مقابلے میں اہلِ ایمان کے نزدیک دنیا و مافیہا کی کوئی حیثیت نہ ہو' بلکہ دنیا معمولی اور حقیر چیز ہو' نیز یہ کہ ان کے قلوب و اذہان میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے ماسوا کسی کے لیے تعظیم و تقدیس اور احترام و اکرام کی کوئی جگہ نہ ہو۔

جن لوگوں کے دلوں میں ایمان ضعیف و کمزور ہے شیطان ان کے دینی اُمور میں دخل انداز ہو چکا ہے' اس نے عام لوگوں کے سامنے تعظیم اولیاء کو مزیّن کر کے پیش کیا ہے' نیز اُن کے قلوب میں ان اولیاء کی قدر و منزلت کو افراط و غلو کے ساتھ بٹھا دیا ہے' بایں طور کہ جب ان میں سے کوئی اللہ پاک کی قسم کھاتا ہے تو جھوٹ بول جاتا ہے' اور جب کسی ولی یا پیر کی قسم کھاتا ہے تو صرف سچی قسم کھاتا ہے۔ اسے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں ولی یا پیر اس سے انتقام نہ لے لے۔ یہ حرکت عین شرک و کفر ہے۔ ہم اللہ رب العزت سے شرک' شک و شبہ' نفاق اور بُرے اخلاق سے پناہ چاہتے ہیں۔ اور جہاں تک "امانت" کی قسم کھانے کا

تعلق ہے تو اس بارے میں امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((مَنْ حَلَفَ بِالْاَمَانَةِ فَلَيْسَ مِنَّا)) (۳۳)

"جو شخص امانت کی قسم کھائے وہ ہم میں سے نہیں۔"

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے۔ امام منذری رحمہ اللہ نے بھی اپنی تہذیب میں سکوت کیا ہے' لہٰذا حدیث ان کے نزدیک صالح (قابلِ حجت) ہے۔

اس لیے کہ "امانت" اللہ کی شریعت اور اس کا حکم ہے' بنابریں "امانت" کی قسم کھانا غیر اللہ کی قسم کھانا ہے۔ اور بعض اہلِ علم کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص "وَاَمَانَةِ اللّٰهِ" (اللہ کی امانت کی قسم) کھائے تو اس پر کفارہ واجب ہے' لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس سے کفارہ واجب نہیں ہوتا ـــــ واللہ اعلم !

✪ ✪ ✪

---

(۳۳) سنن ابی داؤد' کتاب الایمان' باب فی کراھیۃ الحلف بالامانۃ' ح ۳۲۵۳۔ مسند احمد ۵/۳۵۲۔

طب اور اللہ پاک کا اعلان ﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ﴾ کی حقیقت کیا ہے؟

سوال (۱۶) جدید طب ماں کے پیٹ میں موجود بچے کو معلوم کر لیتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ﴾ (جو کچھ رحموں میں ہے اللہ اسے جانتا ہے) کے متعلق کیا جواب ہونا چاہیے؟

جواب: اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ عورت کے رحم میں مذکر یا مؤنث' گورا یا کالا' کوتاہ یا لمبا جو بھی چیز ہے اس کے متعلق انسان کو بالکل علم نہیں ہوتا' بلکہ وہ محض غور و فکر کے بعد اندازہ لگاتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کو مخفی و پوشیدہ رکھا ہے' اور یہ ایسا علم ہے جس کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ خاص کر رکھا ہے' نیز جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کو مفاتح الغیب (غیب کی کنجیاں) میں شمار کیا ہے جس کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں' اس لیے کہ جنین (ماں کے پیٹ میں موجود بچہ) جب رحم مادر میں ہوتا ہے تو اس کا چہرہ ماں کی پشت کی طرف ہوتا ہے' اور دونوں پیر کھڑے ہوتے ہیں اور اس کی دونوں رانیں سمٹی ہوئی ہوتی ہیں' یہاں تک کہ اس کا اگلا حصہ مکمل طور پر چھپ جاتا ہے۔ بنا بریں کسی شخص کا محض فکر و نظر اور اندازے سے رحم مادر کی مخفی و پوشیدہ چیز کی معلومات حاصل کر لینا ناممکن و محال ہے' بلکہ یہ اس کی طاقت و قدرت سے بالاتر ہے۔

بعض اطباء نے بیان کیا ہے کہ عورت کے دائیں پستان کے اوپر نشانات مذکر کی علامت ہے اور بائیں پستان کے اوپر نشانات مؤنث کی علامت ہے۔ لیکن

عام طور پر ایسا نہیں ہوتا' اور پھر اس اُصول کی صداقت بھی ثابت نہیں ہو سکی۔

لیکن جہاں تک الٹرا ساؤنڈ یا لیبارٹری رپورٹ وغیرہ کے ذریعے بچے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا تعلق ہے تو ان چیزوں کا شمار علم الغیب میں نہیں ہوتا۔ اور یہ نتیجہ موقوف ہے کچھ ایسے اعمال اور تجربات پر جس کو خود ڈاکٹر انجام دیتا ہے' پھر وہ اس کے ذریعے معلومات حاصل کرتا ہے' للذا یہ سارے کام عورت کا پیٹ چاک کرکے بچے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے مترادف ہیں۔ پھر اس طرح سے ان وسائل کے ذریعے پیٹ کے بچہ کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے کہ آیا وہ مذکر ہے یا مؤنث' ایک ہے یا زیادہ' لیکن وہ علم غیب جس کی نفی نبی اکرم ﷺ نے اپنے اس ارشاد گرامی ((فِيْ خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ))[۳۴] (یعنی پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے) میں کی' اس سے مراد غیبی خبروں کو علم و فکر سے معلوم کرنا ہے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے قرآنِ حکیم کی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ ﴾ (لقمان: ۳۴)

''بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے' وہی بارش نازل فرماتا ہے اور ماں کے پیٹ میں جو ہے اُسے وہی جانتا ہے۔''

انہی چیزوں کا عِلم غیب سے تعلق ہے۔

اور اللہ ربّ العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ ۚ ﴾ (النمل: ۶۵)

---

(۳۴) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب سوال جبریل ... الخ' ح ۵۰.

"کہہ دیجئے (اے محمد ﷺ) کہ آسمان والوں میں سے اور زمین والوں میں سے سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا۔"

نیز اللہ رب العالمین نے اپنے نبی ﷺ کی زبانی کہلوایا:

﴿ وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ... ﴾

(الاعراف: ۱۸۸)

"اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سی نفع بخش چیزیں حاصل کر لیتا..."

چنانچہ بندوں پر فرض ہے کہ وہ شرعی احکام کے سامنے سرنیاز خم کر دیں اور راضی بھی رہیں' نیز غیر متعلقہ باتوں میں دخل اندازی سے پرہیز کریں —— واللہ اعلم!

✪ ✪ ✪

میلاد منانے کا حکم

سوال ⑰ نبی کریم ﷺ کی پیدائش پر جشن منانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ بدعتِ منکرہ ہے جس کو بنو بویہ نے چوتھی صدی ہجری میں ایجاد کیا تھا' اور پھر یہ بدعت رواج پکڑ گئی' اور بالآخر اکثر و بیشتر اسلامی ملکوں میں عام ہو گئی۔ یہاں تک کہ یہ بدعتِ منکرہ رسم بن گئی اور اکثر اسلامی ملکوں کے علماء نے اسے تسلیم کر لیا۔ اس بدعت کے بارے میں علماء کی خاموشی اور ان کی مشارکت کو عوام الناس نے اپنے لیے دلیل و حجت بنالیا' البتہ اس قبیل کے علماء اہلِ تحقیق اور اہل السنّت والجماعت میں سے نہ تھے' بلکہ یہ علماء سرکاری مولوی تھے جو حکمرانوں کا قرب چاہتے تھے' جنہیں دنیا بے حد محبوب تھی اور انہیں (مخالفت کی شکل میں) دنیوی مفادات کے ضائع ہونے کا خطرہ تھا۔ البتہ اہل علم و فضل نے حکمرانوں اور نام نہاد علماء کے خلاف احتجاج کیا اور ان کے خلاف آواز اٹھائی' حتیٰ کہ انہیں بدعتی بھی قرار دیا اور ان پر واضح کر دیا کہ یہ ایسا کام ہے جس کا وجود نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں نہ تھا۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے نہ تو خود ایسا کیا' اور نہ آپ ﷺ نے اس کی طرف راہنمائی کی' اور نہ ہی خلفاء راشدین نے اس کام کو کیا' اور نہ ہی صحابہ' تابعین' یا تبع تابعین نے ایسا کیا جن کا دَور سب سے بہترین دَور مانا اور سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر یہ نیکی کا کام ہوتا تو لازماً وہ سب سے پہلے کرتے' اس لیے کہ انہیں نبی کریم ﷺ کی ذاتِ مبارک سے اپنے مابعد والوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ محبّت و الفت تھی۔ اور یہی لوگ نبی کریم ﷺ کی اتباع واطاعت اور عمل بِالسُّنَّة کے زیادہ پابند تھے۔

عید میلاد النبی ﷺ کے ایجاد کرنے والوں نے دینِ اسلام میں ایسے کام کا

اضافہ کر دیا ہے جس کا اصلی دین سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ اہل بدعت کا عید میلاد النبی منانا در حقیقت شریعتِ الٰہی پر ایک اعتراض ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ یوں کہہ رہے ہیں کہ اسلامی شریعت میں ایک کمی تھی جس کو انہوں نے اس جشن کے ذریعے سے مکمل کر دیا ہے' حالانکہ ان کی یہ ساری محنت اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں' جیسا کہ ارشادِ نبویؐ ہے:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ)) (۳۵)

"جس نے ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں ہے تو وہ رد ہے' یعنی قابل قبول نہیں۔"

اہلِ بدعت اس کام کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں' اور یہ کہ محمد ﷺ کی پیدائش پر یہ ہماری فرحت و انبساط اور خوشی و مسرت کی دلیل ہے۔ مولدِ نبوی پر اظہارِ خوشی و مسرت کے لیے یہ ضروری ہے کہ یہ خوشی مستقل ہو نہ کہ ہر سال کی ایک رات میں جشن منایا جائے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جس رات آپ ﷺ پیدا ہوئے اسی رات آپ ﷺ نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔ اس اعتبار سے یہ رات آپ ﷺ کے فراق پر حزن و غم اور رنج و ملال منانے کی رات ہے۔

اگر جشن منانا ہی ہوتا تو جس رات آپ ﷺ کو معراج پر لے جایا گیا اس رات جشن منایا جاتا' یا جس رات آپ ﷺ پر وحی نازل کی گئی' یا جس رات میں اللہ ربّ العزت نے حضور انور ﷺ کو مشرکین مکہ اور کفارِ قریش کے مکرو

---

(۳۵) صحیح البخاری' کتاب الصلح' باب اذا اصطلحوا علی جور' ح ۲۵۵۰. صحیح مسلم' کتاب الاقضیة' باب نقض الاحکام الباطلة' ورد محدثات الامور' ح ۱۷۱۸.

فریب اور سوءِ نیت سے نجات دی' یا جس رات اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی غزوہٗ بدر یا غزوہٗ حنین اور فتح مکہ میں مدد فرمائی' یا پھر حجۃ الوداع کا عظیم دن تھا' اور ان سے ملتے جلتے اور بہت سارے واقعات یادگار منانے کے قابل ہیں۔ اور جب ان موقعوں پر کوئی جشن نہیں منایا گیا تو بات واضح ہو گئی کہ نبی کریم ﷺ کی پیدائش پر اظہارِ خوشی و مسرت کی شکل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارک سے محبت واطاعت تا زندگی کی جائے —— واللہ اعلم!

✪ ✪ ✪

"سورج! گدھے کا دانت لے جا!"

سوال ⑱ جو شخص دانت اکھاڑنے کے بعد سورج سے مخاطب ہو کر کہے کہ گدھے کا دانت لے جا اور اس کے بدلے ہرنی کا دانت دے جا' تو اس قسم کے جملے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس طرح کی بات بے بنیاد ہوتی ہے اور نہ اس کا کوئی فائدہ ہے۔ ممکن ہے کہ یہ شرکیہ جملہ بن جائے' کیونکہ یہ سورج سے دعاء مانگنے یا اس کو پکارنے کے مترادف ہے' حالانکہ سورج خود مخلوق ہے اور ایک ڈیوٹی انجام دے رہا ہے۔ جو شخص سورج سے دعا مانگتا ہے تو سورج نہ اس کے لیے نفع و نقصان کا مالک ہے اور نہ کسی دوسرے کے لیے۔ لہٰذا سورج کو مخاطب کرنا گویا اس سے دعا مانگنا اور اس کی عبادت کرنا ہے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو سجدہ کرنے والے مشرکین کے بارے میں بیان کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ... ﴾
(النمل : ۲۴)

"میں نے اسے اور اس کی قوم کو' اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا..."

نیز ارشاد باری ہے :

﴿ لَاتَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ ... ﴾ (فُصِّلت / حٰمٓ السَّجْدَة : ۳۷)

"تم نہ تو سورج کو سجدہ کرو' نہ چاند کو' بلکہ سجدہ اُس اللہ کے لیے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے..."

اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ سورج سے دعا مانگنا اور اس کو پکارنا گویا اس کی عبادت کرنا' اس کے سامنے جھکنا اور اس سے تعلق خاطر کا اظہار کرنا اور اس کی تعظیم و تقدیس کرنا بعینہٖ اس کو سجدہ کرنا ہے۔ پھر اس میں یہ بات بھی ہے کہ یہ شخص جو سورج کو پکارتا ہے تو یہ بے فائدہ کام ہے' کیونکہ سورج سن تو نہیں سکتا اور نہ ہی جواب دے سکتا ہے اور نہ وہ پکارنے والے کو کچھ دے سکتا ہے۔

انسان کی خاطر اللہ تعالیٰ نے دانتوں کو پیدا کیا اور اکثر حیوانات کے لیے بھی دانتوں کو پیدا کیا ہے۔ اس کا فائدہ خوراک کو اچھی طرح چبانا ہے اور اسے نوچ کر کھانا ہے۔ اور یہ مہربانی صرف اللہ کی طرف سے ہے جو نفع و نقصان دینے اور نہ دینے کا تن تنہا مالک ہے۔ چنانچہ مسلمان صرف اسی ایک اللہ وحدہ سے درخواست کرتا ہے اور اس کے ماسوا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

چوپایوں کے دانتوں کے بارے میں غور و فکر کیا جائے تو ان میں بھی کوئی فرق نہیں۔ گدھا خواہ جنگلی ہو یا پالتو' اللہ نے اس کے لیے مناسب حال دانت

بنائے ہیں' اور اس کے دانت اس کے ساتھ پوری زندگی یا اکثر زندگی تک باقی رہتے ہیں اور بالکل یہی بات ہرن کے دانتوں کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے اور ہرن کے مؤنث کو عربی میں "غزال" (ہرنی) کہتے ہیں۔ یہی حال دوسرے حیوانات کا ہے' جیسے کہ اونٹ' بکری اور ان کے مثل دوسرے جانور۔ تو اللہ رب العزت نے مذکورہ حیوانات کے لیے حسب ضرورت دانت پیدا کیے ہیں اور یہ دانت صرف استعمال کرنے سے اپنی آخری حد تک پہنچتے ہیں۔

لیکن کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ گدھا ناپسندیدہ مخلوق ہے اور اس کے دانت بھی بدترین ہیں جن سے طبیعت متنفر ہوتی ہے' حالانکہ حقیقت یوں نہیں ہے۔ اسی طرح غزال (ہرنی) کا دانت انسان کے لیے مناسب نہیں' اس لیے کہ یہ دانت اسی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ ہاں اگر کسی کا خیال ہو کہ مذکورہ بالا جملہ انسان کو بھلا لگتا ہے تو استعمال میں کوئی حرج نہیں' لیکن اس سے کیا فائدہ؟ اس لیے کہ اللہ کا بندہ تو اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس پاک ذات کے علاوہ کسی دوسری مخلوق کی جانب متوجہ نہیں ہوتا ـــــ واللہ اعلم!

✪ ✪ ✪

بدعت کی حقیقت

سوال (۱۹) نبی کریم ﷺ کے فرمان : ((وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ)) "تم دین میں نئی ایجاد کی ہوئی چیزوں سے بچو" کا کیا مطلب و مفہوم ہے؟

جواب : مُحدَثات سے مراد وہ نئے کام ہیں جن کی نسبت شریعتِ مطہرہ کی طرف کی جاتی ہے' حالانکہ وہ شریعتِ اسلامیہ سے نہیں ہوتے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہی کامل کر دیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ... ﴾

(المائدۃ : ۳)

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی..."

سو اَب دینِ اسلام کے کامل ہونے کے بعد اس میں اضافہ و زیادتی کی کوئی حاجت نہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث کے آخر میں فرمایا :

((فَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ)) (۳۶)

"بے شک ہر بدعت گمراہی ہے۔"

سو اب اس دین میں ہر نیا کام بدعت ہے' اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ اسی لیے کسی کام کو عبادت سمجھ کر کرنا اُس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ اس کی کوئی دلیل اور اصل شریعت میں نہ ہو۔ ہاں' اگر اس کام کی کوئی دلیل و سند شریعت

---

(۳۶) سنن ابی داؤد' کتاب السنة' باب فی لزوم السنة' ح ۴۶۰۷. سنن ابن ماجة' المقدمة باب اتباع سنة الخلفاء' ح ۴۲.

اسلامیہ میں موجود ہو تو وہ بدعت شمار نہ ہو گا' خواہ اس پر لغوی اعتبار سے لفظ "بدعت" کا اطلاق صحیح ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باجماعت نماز تراویح کو بدعتِ حسنہ سے تعبیر کیا تھا' یعنی لغوی اعتبار سے بدعت ہے' حالانکہ نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اس پر کئی بار عمل کیا جا چکا تھا' لیکن آپ ﷺ نے اس کو مسلسل ادا کرنے سے منع کر دیا تھا کہ کہیں فرض نہ ہو جائے۔ مثال کے طور پر جمعہ کی پہلی اذان کو لیجئے تو نماز کی اذان اصلاً شریعت میں ثابت ہے' اور یہ اذان اللہ پاک کے اس قول میں داخل ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ...﴾ (المائدۃ: ۵۸)

"اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو..."

قرآن کو ایک مصحف میں جمع کرنا بدعت میں شمار نہیں ہو گا' اس لیے کہ قرآن حکیم کی کتابت نبی علیہ السلام کے زمانہ سے ہی مشہور تھی اور پھر جب نزولِ وحی کا سلسلہ مکمل ہو گیا تو اب قرآن کی آیتوں کا ایک مصحف میں جمع کرنا ضروری تھا' تاکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سچا ثابت ہو: ﴿فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ﴾ (عبس: ۱۳)

"یہ تو پُر عظمت صحیفوں میں ہے۔"

اس کے علاوہ جو دوسری بدعات ہیں تو وہ سب حرام ہیں' خواہ ان بدعتوں کا تعلق اعتقاد سے ہو' جیسے خوارج' معتزلہ' قدریہ' مرجئہ' رافضہ اور ان سے ملتے جلتے دوسرے فرقوں کی بدعتیں ہیں' یا ان بدعتوں کا تعلق قول و فعل سے ہو' جیسے میلاد النبی ﷺ منانا' معراج کی رات جاگنا' چودھویں یا پندرھویں شعبان کو جاگنا' یا صلوٰۃِ رغائب' نیزان سے ملتی جلتی دوسری بدعات۔

ان بدعتوں کے بارے میں علماء کرام نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب "الباعث على انكار البدع والحوادث" اور کتاب "البدع

والنھی "۔ بدعات و خرافات کے متعلق سب سے زیادہ سیر حاصل بحث کتاب "الاعتصام للشاطبی" میں ہے۔ لہٰذا تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ سنت رسول کو مضبوطی سے پکڑیں' اگرچہ اکثریت اس پر ناک بھوں چڑھائے' اور وہ بدعات و خرافات کو ترک کر دیں' خواہ اہلِ بدعت کی تعداد کتنی زیادہ ہی کیوں نہ ہو ــــ واللہ اعلم!

✪ ✪ ✪

حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے لفظ "کرم اللہ وجہہ" کا خصوصی استعمال

سوال (۲۰) کچھ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خاص طور پر لفظ "علیہ السلام" یا "کرم اللہ وجہہ" استعمال کرتے ہیں' تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس تخصیص کی کوئی بنیاد نہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب صحابہ کرام کا ذکر آئے تو سب کے لیے "رضی اللہ عنہم" کہنا چاہیے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ... ﴾

(التّوبة: ۱۰۰)

"اور جو مہاجرین و انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں' اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اُس سے راضی ہوئے..."

نیز ارشادِ باری عزّ و جل ہے:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ... ﴾ (الفتح: ۱۸)

"یقیناً اللہ تعالیٰ مؤمنوں سے خوش ہو گیا جب کہ وہ درخت تلے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔"

جب کسی صحابی کا ذکر آئے یا ان سے کوئی حدیث روایت کی جائے تو اہل السنّت کے نزدیک ان کے لیے "رضی اللہ عنہ" استعمال کرنا چاہیے۔ مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔ میری معلومات کے مطابق ان (صحابۂ کرام) میں سے کسی کے ذکر پر لفظ "السلام" استعمال نہیں کیا گیا' حالانکہ لفظ "السلام" سے مسلمان آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ ﴾ (النّور: ۶۱)

"پس جب تم گھروں میں جانے لگو تو اپنے گھر والوں کو سلام کر لیا کرو' یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ دعائے خیر ہے' جو بابرکت اور پاکیزہ ہے۔"

اور اس بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ "رضی اللہ عنہ" کا استعمال لفظ "السلام" سے کہیں زیادہ افضل و اولیٰ ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ﴾ (التّوبة: ۷۲)

"اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے۔"

اور جناب نبی کریم ﷺ نے یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ اہلِ جنت سے مخاطب ہو کر

فرمائے گا:

((أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِيْ فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ أَبَدًا)) (۳۷)

"میں تم پر اپنی رضامندی نازل کروں گا اور میں تم سے کبھی ناراض نہ ہوں گا۔"

لیکن علماء کرام نے یہ اصطلاح ایجاد کی کہ لفظ "السلام" صرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝﴾ (الصّٰفّٰت: ۱۸۱)

"اور پیغمبروں پر سلام ہے۔"

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

﴿وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ...﴾ (مریم: ۱۵)

"اور اُس (یحییٰ علیہ السلام) پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا..."

اور چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

((اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى)) (۳۸)

"تمہارا مقام میرے نزدیک وہی ہے جو ہارون علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھا۔"

---

(۳۷) صحیح البخاری' کتاب التوحید' باب کلام الرب مع اهل الجنة' ح ۷۰۸۰۔ صحیح مسلم' کتاب الجنة' باب احلال الرضوان علی اهل الجنة' ح ۲۸۲۹۔

(۳۸) صحیح البخاری' کتاب فضائل الصحابة' باب مناقب علی ح ۳۵۰۳۔ صحیح مسلم' کتاب فضائل الصحابة' باب فضائل عَلِی' ح ۲۴۰۴۔

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلو کرنے والوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جملہ کو دلیل بناتے ہوئے انہیں "علیہ السلام" یا "کرم اللہ وجہہ" کہنا شروع کر دیا، مثلاً رافضہ اور ان کے ہم مثل لوگ۔

اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ وہ اس کے حق دار ہیں۔ لیکن اس قول میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان لوگوں کو بھی جنھوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اخلاص و احسان کے ساتھ اتباع و پیروی کی ہے، شریک کیا جائے۔

بہرحال یہ اصطلاح اہلِ بیت کے بارے میں غلو کرنے والوں کی طرف سے شروع ہوئی، جیسے رافضہ اور زیدیہ۔ بعد میں یہ اصطلاح اہل السنّت کی کتابوں میں بھی پائی جانے لگی۔ اور شاید یہ چیز ان بعض لکھنے والوں کی طرف سے اہل السنّت کی کتابوں میں وجود میں آئی جنھوں نے ان غلو کرنے والوں کی حسنِ ظن کی بنیاد پر تقلید کی ہے۔ لہٰذا اب یہ بات واضح ہو جانی چاہیئے —— واللہ اعلمَ!

✪ ✪ ✪

سیکولرزم (SECULARISM) کیا ہے؟

سوال (۲۱) سیکولرزم کیا ہے اور اس کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ ایک نیا مذہب اور فاسد تحریک ہے جس کا مقصد صرف دنیا کمانا اور شہوت پرستی ہے' اور یہی ان کا مقصد زندگی ہوتا ہے' نتیجتاً دارِ آخرت کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں اور کلی طور پر اس سے غافل ہو جاتے ہیں' اور نہ ہی اعمالِ اُخرویہ کی طرف دھیان کرتے ہیں۔ سیکولر نظام کو ماننے والے پر نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان صادق آتا ہے

((تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ' تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ' تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِيْصَةِ' تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِيْلَةِ' إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ' وَإِنْ لَّمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ' تَعِسَ وَانْتَكَسَ' وَإِذَا شِيْكَ فَلَا انْتَقَشَ)) [۳۹]

"دینار کا پجاری ہلاک ہوا' درہم کا پجاری ہلاک ہوا' خمیصہ (کالا یا سرخ رنگ کا کپڑا جس پر نقش و نگار بنے ہوئے ہوں) کا پجاری تباہ و برباد ہوا' مخمل کا پجاری بھی ہلاک ہوا۔ اگر اسے کوئی چیز دی جاتی ہے تو خوش' ورنہ ناراض' تو وہ ہلاک ہوا اور نقاہت کے بعد دوبارہ اس کو بیماری لاحق ہو گئی' اور اگر اس کو کانٹا چبھتا ہے تو نکالا نہیں جاتا۔"

بلاشبہ اِس وصف میں ہر وہ شخص داخل ہے جس نے اسلامی تعلیمات میں سے کسی چیز کی قولاً یا فعلاً عیب جوئی کی' سو جس نے بھی خود ساختہ قوانین کو نافذ کیا اور شرعی احکام کو چھوڑ دیا تو وہ سیکولر (SECULAR) یعنی بے دین ہے' اور جس

---

(۳۹) صحيح البخاري' كتاب الجهاد' باب الحراسة في الغزو في سبيل الله' ح ۲۸۸۷۔

نے زنا، شراب، گانے بجانے، رقص و سرود، اور سودی لین دین و سودی معاملات جیسے حرام کاموں کو مباح (جائز) قرار دیا اور یہ اعتقاد رکھا کہ ان سے روکنا عوام الناس کیلئے نقصان کا سبب ہے، اور جس چیز میں اس کا ذاتی فائدہ ہے اس کی خاطر سخت رویہ اپنانے والا بھی سیکولر (SECULAR) ہے اور جس نے قاتل کو قتل کرنے، زانی کو سنگسار کرنے، شراب نوش کو کوڑے لگانے، نیز چوری کرنے والے یا جنگ کرنے والے کے ہاتھ کاٹنے سے روکا یا انکار کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ حدود کو نافذ کرنا انسانی شرافت کے خلاف ہے، اور یہ کہ اس اللہ کی حدود کا نافذ کرنا سنگ دلی اور انسانیت کی توہین ہے، تو ایسے حضرات بھی دراصل سیکولر لوگ ہیں (خواہ ان کے نام مسلمانوں والے ہوں۔) ان حضرات کے بارے میں اسلامی حکم یہ ہے، اللہ رب العزت نے یہود کے بارے میں فرمایا:

﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ﴾

(البقرۃ: ۸۵)

"کیا تم کتابِ الٰہی کے بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو؟ تم میں سے جو بھی ایسا کرے اس کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا میں رسوائی و ذلت کا سامنا کرنا پڑے۔"

جو شخص حسبِ پسند دین قبول کرے، مثلاً پرسنل لاء کی حد تک، اور بعض عبادات اور غیر پسندیدہ حکم ترک کر دے تو ایسا شخص بھی آیتِ مذکورہ کے حکم میں داخل ہو گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ﴾ (هود: ۱۵،۱۶)

"جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت پر فریفتہ ہوا چاہتا ہو ہم ایسوں کو ان کے کل اعمال (کا بدلہ) یہیں بھرپور پہنچا دیتے ہیں اور اس میں انہیں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ ہاں' یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں سوائے آگ کے اور کچھ نہیں۔"

تو یہ سیکولر (SECULAR) ذہن کے لوگ ان کا مقصد صرف جمع دنیا اور خواہشات سے لطف اندوز ہونا ہوتا ہے' خواہ وہ حرام ہی کیوں نہ ہو اور خواہ یہ حرام خواہشات انہیں شرعی واجبات سے روک رہی ہوں۔ تو ایسے لوگوں کا شمار بھی مذکورہ آیت میں ہوگا۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴾

(الاسراء: ۱۸)

"جس کا ارادہ صرف اس جلدی والی دنیا (فوری فائدہ) کا ہی ہو اُسے ہم یہاں جس قدر جس کے لیے چاہیں سردست دے دیتے ہیں' بالآخر اس کیلئے ہم جہنم مقرر کردیتے ہیں' جہاں وہ بُرے حال میں دھتکارا ہوا داخل ہوگا۔"

اور اس معنی کی بہت سی آیات اور احادیث موجود ہیں —— واللہ اعلم!

✪ ✪ ✪

خواتین اور روضۂ مقدّس کی زیارت

سوال (۲۲) خواتین کیلئے نبی کریم ﷺ کی قبرِ اطہر کی زیارت کا کیا حکم ہے؟

جواب: جنابِ رسول اللہ ﷺ نے پہلے مطلقاً قبروں کی زیارت سے منع فرمادیا تھا' اس وجہ سے کہ لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے' اور آپ ﷺ نے انہیں یا تو غلو و افراط یا مُردوں کی عبادت کے اندیشے سے منع فرمایا تھا' یا پھر قبروں کے پاس مُعَبِّین کرنے اور جاہلانہ طریقے کے مطابق چیخنے چِلّانے کی وجہ سے منع فرمایا۔

لیکن جب اسلام لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہو چکا تو آپ علیہ السلام نے مسلمانوں کو زیارتِ قبرستان کی اجازت دے دی' اس لیے کہ قبروں کی زیارت سے زندوں کو آخرت کی یاددہانی ہوتی ہے' اور مُردوں کے لیے دعا کی جاتی ہے' البتہ اس حکم سے عورتوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے' بلاشبہ عورتوں کے لیے قبرستان جانے پر نہی بھی ہے اور وعید بھی ہے۔ فرمانِ رسول ﷺ ہے:

((لَعَنَ اللّٰهُ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ)) (۴۰)

"اللہ تعالیٰ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔"

کسی کام پر شرعی لعنت کا مطلب ہے کہ وہ حرام ہے' اور مندرجہ ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زیارتِ قبور کی اجازت صرف مَردوں کے لیے ہے' جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

((كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا))

---

(۴۰) مسند احمد ۲۲۹/۱ احمد شاکر نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ح ۲۰۳۰. سنن الترمذی' ابواب الصلاۃ' کراھیۃ ان یتخذ علی القبر مسجدًا' ح ۳۲۰.

"میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا(اب میں تمہیں اس کی اجازت دیتا ہوں) سو تم قبروں کی زیارت کیا کرو۔"[(۴۱)]

مذکورہ بالا حدیث کے علاوہ بھی متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبرستان کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی گئی ہے اور یہ احادیث حضرت ابنِ عباس و حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے صحیح اسناد کے ساتھ منقول ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لعنت کی علّت بھی بیان کی ہے' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((فَإِنَّكُنَّ تُفْتِنَّ الْحَيَّ وَتُؤْذِيْنَ الْمَيِّتَ))[(۴۲)]

"بے شک تم عورتوں کا معاملہ یہ ہے کہ زندوں کو فتنہ میں مبتلا کرتی ہو اور مُردوں کو تکلیف پہنچاتی ہو۔"

اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض عورتوں کو قبرستان کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

((اِرْجِعْنَ مَأْزُوْرَاتٍ غَيْرَ مَأْجُوْرَاتٍ))[(۴۳)]

"کہ گناہوں کا بوجھ لے کر لوٹ جاؤ' نہ کہ اجر و ثواب۔"

اور سنن میں یہ ثابت ہے کہ رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا:

---

(۴۱) سنن ابی داؤد' کتاب الجنائز' باب فی زیارة القبور' ح ۳۲۳۵. صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب ۳۶' ح ۹۷۷.

(۴۲) شرح الصدور للسیوطی' ص ۳۹۹. وتاریخ بغداد للخطیب ۲۰۱/۶.

(۴۳) سنن ابن ماجة' کتاب الجنائز' باب ماجاء فی اتباع النساء الجنائز' ح ۱۵۷۸. علامہ البانی رحمہ اللہ نے حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

((لَعَلَّكِ بَلَغْتِ مَعَهُمُ الْكُدٰى)) فَقَالَتْ: مَعَاذَ اللّٰهِ' وَقَدْ سَمِعْتُكَ تَنْهٰى عَنْهُ' فَقَالَ: ((لَوْ بَلَغْتِ مَعَهُمُ الْكُدٰى مَا دَخَلْتِ الْجَنَّةَ — اَوْ: مَا رَاَيْتِ الْجَنَّةَ — حَتّٰى يَرَاهَا جَدُّ اَبِيْكِ)) (۴۴)

"اے فاطمہ! شاید تم لوگوں کے ساتھ کدیٰ تک چلی گئی تھی" (الکدیٰ: یعنی جنت البقیع کے آخری کنارے تک) تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا: اللہ کی پناہ! اس لیے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) عورتوں کو قبرستان جانے سے منع فرماتے ہیں' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے فاطمہ! اگر تو اُن کے ساتھ کدیٰ تک چلی جاتی تو جنت میں داخل نہ ہوتی' یا تو جنت کو دیکھ بھی نہ پاتی' یہاں تک کہ تیرے باپ کا دادا بھی اس کو دیکھ لیتا۔"

جب یہ حکم لختِ جگرِ رسول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے واسطے ہو' جبکہ وہ افضل النساء (یعنی عورتوں میں سے سب سے بہتر عورت) تھیں' تو اس کے بعد دوسری خواتین کے لیے کیا حکم ہو سکتا ہے۔

اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اور ان کے دونوں ساتھیوں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبروں کا شمار بھی عام قبروں میں ہوتا ہے' لہٰذا عورتوں کا ان کے پاس کھڑے ہونا جائز نہیں۔ عورت کے لیے یہی کافی ہے کہ مسجدِ نبوی شریف میں داخل ہونے کے بعد اپنی جگہ پر نماز پڑھے' اور اپنی نماز میں ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجے' تاکہ عورت احادیثِ مندرجہ بالا میں ذکر شدہ لعنت اور وعید کی زد میں نہ آجائے — واللہ اعلم!

---

(۴۴) مسند احمد ۱۶۹/۲' ح ۶۵۷۴۔ علامہ احمد شاکر نے حدیث کو حسن کہا ہے۔

کیا رسولوں کے درمیان فضیلت کا فرق ہے؟

سوال ۲۳ کیا انبیاء و رُسل علیہم السلام کے درمیان فضیلت کا فرق ہے؟

جواب: ہاں! ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَٰتٍ ﴾ (البقرة: ۲۵۳)

"یہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے' ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بات چیت کی ہے اور بعض کے درجات بلند کیے ہیں۔"

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّنَ عَلَى بَعْضٍ وَّآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُوْرًا ۝ ﴾

(الاسراء/بنی اسرائیل: ۵۵)

"ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر بہتری و برتری دی ہے' اور داؤد کو ہم نے زبور عطا فرمائی ہے۔"

اللہ عزّ و جل نے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہا خاص فضیلت سے نوازا ہے' خواہ یہ فضل خود اس کے اندر موجود ہو' یا پھر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے ان کو عقل و دانش مندی اور پاک نفس کی بدولت عطا کیا ہو' یا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وصفِ فضل کے ساتھ خاص کیا ہو۔ خواہ ان کے علاوہ دوسرے رسول ان سے زیادہ زکی القلب' زیادہ عقل و دانش کے مالک اور زیادہ عبادت کرنے والے ہوں۔ یہ تو اس اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا کر دے۔ اور بلاشبہ اللہ

= وسنن ابی داؤد' کتاب الجنائز' باب فی التعزیة' ح/۳۱۲۳. وسنن النسائی' کتاب الجنائز' باب النعی' ح ۱۸۷۹.

سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بعض رسولوں کی فضیلت و برتری کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا' اور یہ کہ اللہ پاک نے انہیں اپنی ذات کے لیے پسند فرمالیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝ ﴾ (طٰهٰ: ۴۱)

"اور میں نے تجھے خاص اپنی ذات کے لیے پسند فرمالیا۔"

اور مزید ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ۝ ﴾ (طٰهٰ: ۳۹)

"تاکہ تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے کی جائے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں یہ اطلاع دی کہ وہ اللہ کے بہت شاکر بندے تھے' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا اکلوتا دوست بنالیا تھا' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ بتایا کہ اس نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا' اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا شرحِ صدر کردیا اور ان سے ان کے بوجھ کو اتار دیا' اور ان کے درجات کو بلند کردیا۔

علماءِ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ سب سے افضل رسول پانچ ہیں اور یہی اولوالعزم رسول ہیں: نوح' ابراہیم' موسیٰ' عیسیٰ اور محمد علیہم السلام۔ اور ان افضل الرسل میں سے افضل ترین حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور محمد مصطفیٰ علیہما السلام ہیں۔ نیز یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مطلقاً افضل الانبیاء ہیں۔ فضیلت کے باہمی فرق سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے دوسرے انبیاء اور رسولوں کے مقام میں کمی لازم آتی ہے' اس لیے کہ یہ سب حضرات اللہ تعالیٰ کے انبیاء و رُسل علیہم السلام تھے' جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کا بار سنبھالنے اور شریعت کی تبلیغ کے لیے منتخب کیا تھا۔ پس ہمیں اُن کی فضیلت و برتری کا اعتراف ہونا چاہیے اور ہمیں ان پر درود و

سلام بھیجنا چاہیے' اور ہمیں ان کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ یہ سارے انبیاء و رسل ﷺ رب تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ذمہ داری ادا کرنے میں کسی قسم کی کمی کوتاہی سے پاک صاف تھے۔

جس طرح مؤمنوں کو ان کے اعمال و اخلاص کی وجہ سے ایک دوسرے پر فضیلت و برتری حاصل ہوتی ہے' پھر اسی لحاظ سے جنت میں بھی ان کے ثواب میں فرق و تفاوت ہو گا' جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ لَيَتَرَاءَوْنَ اَهْلَ الْغُرَفِ مِنْ فَوْقِهِمْ كَمَا تَرَاءَوْنَ الْكَوْكَبَ الدُّرِّيَّ الْغَابِرَ فِي الْاُفُقِ مِنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ: لِتَفَاضُلِ مَا بَيْنَهُمْ)) (۴۵)

"بلا شبہ جنت والے بالا خانے والوں کو اپنے اوپر اس طرح دور سے دیکھیں گے جس طرح تم روشن و منور ستاروں کو مشرق و مغرب کے افق میں دیکھتے ہو' (کیونکہ) ان میں ایک دوسرے کے درمیان فضیلت و مقام کا فرق ہے۔"

اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے' اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

چنانچہ اہل ایمان پر اللہ کے تمام رسولوں کی تصدیق اور ان کی رسالت و پیغمبری پر ایمان لانا واجب ہے' اور مؤمن کے لیے ثابت شدہ شریعت الٰہی میں سے جو کچھ اس تک پہنچ چکا ہے اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے' تاکہ وہ مؤمنوں کی صف میں شامل ہو سکے' اس لیے کہ جس نے جس قوم سے محبت کی تو اس کا حشر اُسی کے ساتھ ہو گا ---- واللہ اعلم!

---

(۴۵) صحیح البخاری' کتاب الرقاق' باب صفة الجنة والنار'=

"ایمان کے ساتھ ان شاء اللہ"

سوال ۴۳ ایمان کے ضمن میں کہنا کہ "مَیں ان شاء اللہ مؤمن ہوں" اس جملے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس میں اختلاف ہے' لیکن صحیح قول یہ ہے کہ "میں ان شاء اللہ مؤمن ہوں" کہنا جائز ہے' جبکہ اس سے مراد ایمانِ کامل ہو' چوں کہ ایمان گھٹتا اور بڑھتا رہتا ہے اور لوگ اس میں اپنے اعمال و افعال کے اعتبار سے مختلف درجات کے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان کامل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ﴾ (الانفال: ۲-۴)

"بس ایمان والے ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو اُن کے قلوب ڈر جاتے ہیں' اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں' اور وہ لوگ اپنے رب پر توکّل کرتے ہیں' جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ سچے ایمان والے یہی لوگ ہیں۔"

اور ہر صاحب ایمان اس وصف کو کامل نہیں کر سکتا۔ پس جس نے کہا:

= ح ۲۱۸۸. وصحیح مسلم' کتاب الجنة' باب ترای اهل الجنة اهل الغرف' ح ۲۸۳۰.

"میں پکا مؤمن ہوں" اور اس کی مراد کامل ایمان ہو' تو بلاشبہ اس نے اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ کیا اور جس چیز کا وہ مالک نہ تھا اس کا نعرہ لگایا۔ لیکن جب وہ کہے

کہ "میں ان شاء اللہ مؤمن ہوں" اور اس کا مقصد ہو کہ وہ مذکورہ آیت کے تحت داخل ہو جائے تو وہ سچا ہے۔ اس طرح وہ آدمی بھی سچا ہے جس نے کہا "ان شاء اللہ میں مؤمن ہوں" کیوں کہ اسے خبر نہیں کہ انجام کار کیا ہو گا اور اعمال کا اعتبار تو اختتام پر منحصر ہے۔ اور اسی طرح اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مشیت و مرضی کے ساتھ مستقبل کے معاملات کو جوڑ دیا جائے یا حصولِ برکت کی خاطر ان شاء اللہ کہہ دیا جائے تو جائز ہے' اور یہ شک و تردد پر بھی دلالت نہیں کرتا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ۝ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ﴾

(الکھف: ۲۳'۲۴)

"اور ہرگز ہرگز کسی کام پر یوں نہ کہنا کہ میں اسے کل کروں گا' مگر ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ لینا۔"

اور کچھ لوگ اس طرف گئے ہیں کہ ایمان کے سلسلے میں ہمیشہ ان شاء اللہ کہنا ضروری ہے' اس لیے کہ انجام کی خبر نہیں' کیوں کہ یہ اعمال کے انجام پر منحصر ہے۔ (ایمان کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا) اس لیے بھی ضروری ہے کہ اکثر و بیشتر انسان کے اندر کمی کوتاہی پائی جاتی ہے' اور واجبات میں سے بہت سے کاموں کو چھوڑ دیتا ہے' اس لیے بندہ دعوے کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ پرہیزگار' پارسا اور اہلِ جنت میں سے ہے۔ البتہ رحمتِ الٰہی کی بنیاد پر اِس کا امیدوار ہو گا۔ جہاں شک کی گنجائش نہیں ہو سکتی وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے "اِنْ شَاءَ اللّٰهُ" کا جملہ استعمال کیا ہے۔ فرمایا:

﴿لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ...﴾ (الفتح: ۲۷)

"کہ ان شاء اللہ تم یقیناً پورے امن و امان کے ساتھ مسجدِ حرام میں داخل ہو گے..."

اور اس جیسی دوسری آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ پیش آنے والے امور کا تعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے' کیونکہ اللہ جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ (الدّھر / الانسان: ۳۰)

"اور تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی چاہے' بے شک اللہ تعالیٰ علم والا باحکمت ہے۔"

واللہ أعلم!

✪ ✪ ✪

کیا جہنّم آسمان پر ہے یا زمین کے نیچے؟

سوال ﴿۲۵﴾ دلائل سے اس کی وضاحت کریں کہ جہنم آسمان پر ہے یا زمین کے نیچے؟

جواب: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہنم زمین کے نیچے ہے' یا پھر ساتویں زمین کی تہہ میں ہے' یا سمندروں کی تہہ میں' یا اس جگہ کو اللہ عزّوجلّ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اللہ ربّ العزت نے جنّت کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ○ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ○ ﴾

(النّجم: ۱۴'۱۵)

"سدرۃ المنتہٰی کے پاس' اسی کے پاس جنّۃُ المَأْوٰی ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ نیکو کاروں کا نامۂ اعمال عِلّیّین کے مقام پر ہے' یعنی تمام آسمانوں کی بلندی پر ہے۔ نیز فرمایا کہ گناہ گاروں کا نامۂ اعمال سِجّین کے مقام پر ہے' اور مقام سِجّین کی تشریح کی گئی ہے کہ وہ زمین کی سب سے نچلی تہہ کے بھی نیچے اور نہایت ہی تنگ جگہ میں ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

﴿ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ... ﴾ (الفرقان: ۱۳)

"اور جب یہ جہنم کی کسی تنگ جگہ میں مشکیں کس کر پھینک دیے جائیں گے..."

یہ بات ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بیان کی ہے۔ اور اس کے دلائل میں سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا یہ قول بھی ہے:

﴿ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ○ ﴾ (التّین: ۵)

"پھر اسے الٹا پھیر کر ہم نے سب نیچوں سے نیچ کر دیا۔"

یک قول کے مطابق اس سے مراد اس کا جہنم میں لوٹایا جانا ہے' مگر جسے اللہ تعالیٰ محفوظ کردے۔ اور ابن رجبؒ نے کتاب "التخویف من النّار" کے پانچویں باب میں "جہنم کس جگہ ہے" کے بارے میں دستیاب دلائل بیان کیے ہیں:

ایک دلیل یہ ہے جسے ابو نعیم نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جہنم ساتویں زمین کے نیچے ہے۔

اور ابن مندہ نے روایت کیا ہے کہ مجاہد رحمہ اللہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ جہنم کہاں ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جہنم ساتویں سمندر کے نیچے بند کر کے رکھی ہوئی ہے۔ اور اسی طرح کا قول حضرت عبد اللہ بن عباس' عبد اللہ بن سلام اور قتادہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا گیا ہے۔ اور بعض اہل علم نے آلِ فرعون کے بارے میں وارد فرمانِ الٰہی سے استدلال کیا ہے:

﴿ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا ﴾

(غافر /المؤمن: ۴۶)

"آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح شام لائے جاتے ہیں۔"

یہ معاملہ ان کے ساتھ زمانۂ برزخ میں کیا جائے گا' اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کافروں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں روح کے قبض کرنے کے بارے میں آیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کی روح کے متعلق فرمایا:

((حَتّٰى يَنْتَهُوْا بِهَا اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَيَسْتَفْتِحُوْنَ لَهٗ فَلَا يُفْتَحُ لَهٗ)) ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ﴿ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ ﴾ (الاعراف: ۴۰)۔)) (۳۶)

---

(۳۶) مسند احمد ۲۸۷/۴' المستدرک ۳۷/۱ حدیث صحیح ہے۔

"بالآخر فرشتے کافر کی روح کو لے کر آسمانِ دنیا تک پہنچتے ہیں اور آسمانِ دنیا کا دروازہ کھولنے کے لیے کہتے ہیں تو دروزاہ کھولا نہیں جاتا"۔ پھر اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے۔"

کچھ دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم سمندروں کے نیچے ہے۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول: ﴿وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ﴾ (التکویر: ٦) "اور جب سمندر بھڑکائے جائیں گے" کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ سارے سمندر پھٹ کر ایک سمندر کی شکل اختیار کر لیں گے، پھر وہ بھڑکائے جائیں گے، پس اُن میں آگ جلائی جائے گی، نتیجتاً وہ آگ بن جائیں گے۔ سلف صالحین کی ایک اہلِ علم جماعت سے یہی تفسیر مروی ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ﴿وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَٰفِرِينَ ۝﴾ (العنکبوت: ۵۴) "اور (تسلی رکھیں) جہنم کافروں کو گھیر لینے والی ہے"۔ اس آیت مذکورہ میں جہنم سے مراد سمندر ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک یہودی سے پوچھا: جہنم کہاں ہے؟ یہودی نے جواب دیا کہ یہ سمندر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے خیال میں یہودی سچا ہے، اس لیے کہ اللہ رب العزت نے فرمایا ہے: ﴿وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ﴾ (الطّور: ٦) "اور بھڑکائے ہوئے سمندر کی قسم"۔

واللہ اعلم!

✪ ✪ ✪

کافر کی عزّت کرنا

سوال (۲۶) کافر آدمی کی عزّت واکرام کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس سے ممانعت آئی ہے' اس لیے کہ عزت دینا دوستی کا حصّہ ہے اور یہ منع ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ﴾ (المائدۃ: ۵۱)

"تم میں سے جو بھی ان سے دوستی کرے تو بے شک وہ بھی پھر انہی میں سے ہے۔"

اور امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میرے پاس ایک عیسائی کلرک (دفتری کام نمٹانے والا) ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ اللہ تیرا ستیاناس کرے' کیا تم نے اللہ جلّ جلالہ کا یہ فرمان نہیں سنا؟:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ﴾

(المائدۃ: ۵۱)

"اے ایمان والو! تم یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔"

مَیں نے کہا: میں تو خدمت کار وادار رہوں اور اس کے لیے اس کا اپنا دین ہے' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ان کی عزت نہیں کرتا' کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل و خوار کیا ہے' اور نہ میں ان کی تعظیم کرتا ہوں' اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں رسوا کیا ہے' اور نہ میں انہیں قریب کرتا ہوں جب کہ اللہ نے انہیں دُور کیا ہے۔ اسی بات کو امام بیہقی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے ڈانٹا اور میری ران پر مارتے ہوئے کہا: "کیا تم کو کوئی مسلمان نہیں ملا جو لکھنے کی ذمہ داری ادا کرے؟ جب اللہ نے انہیں

خائن کہا ہے تو تم بھی انہیں ایمان دار نہ سمجھو... الخ"

اور امام احمدؒ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "تم یہود و نصاریٰ کو ملازم نہ رکھو' اس لیے کہ یہ لوگ رشوت کو حلال سمجھتے ہیں۔"

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "اقتضاء الصّراط المُستقیم" میں فرمایا کہ دوستی عزت و امانت کا مقام ہے' اور کافر ذلت اور خیانت کے مستحق ہیں' اور اللہ عزوجل نے مسلمانوں کو اُن سے بے نیاز کر رکھا ہے' سو ان کو ایسی ذمہ داری پر رکھنا جائز نہیں جس کی وجہ سے ان کو مسلمانوں پر بلند درجہ حاصل ہوتا ہو۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَبْدَءُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى بِالسَّلَامِ وَإِذَا لَقِيْتُمْ اَحَدَهُمْ فِيْ طَرِيْقٍ فَاضْطَرُّوْهُمْ اِلٰى اَضْيَقِهٖ)) (۴۷)

"تم یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو' اور جب تم ان سے کسی راستہ پر ملو تو انہیں تنگ راستہ پر چلنے پر مجبور کرو۔"

اور مزید ارشاد نبوی ہے:

((اَلْاِسْلَامُ يَعْلُوْا وَلَا يُعْلٰى عَلَيْهِ)) (۴۸)

"اسلام بلند ہوتا ہے اور اس پر کسی چیز کو بلند نہیں کیا جاسکتا۔"

ایک مرتبہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک تحریر بھیجی کہ شام میں ایک نصرانی کاتب (کلرک) ہے' اور شام کا خراج صرف اسی

---

(۴۷) صحیح مسلم' کتاب السلام' باب ۴' ح ۲۱۶۷. مسند احمد ۲/۳۴۶.

(۴۸) السُّنن الکبریٰ للبیهقی ۲۰۵/۶. وسنن الدار قطنی ۲۵۲/۳ علامہ البانیؒ نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ الارواء ۱۰۶/۵' ح ۱۲۶۸.

کے ذریعے وصول ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب لکھا کہ ''نصرانی مرجائے'' والسلام۔ یعنی اسے موت نصیب ہو۔

اور ابن القاسم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: نصرانی کو کاتب نہ رکھو' اس لیے کہ کاتب (کلرک) کی حیثیت مشیر کی ہوتی ہے' اور مسلمانوں کے امور و معاملات میں نصرانی سے مشورہ نہیں لیا جاسکتا۔

اور ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ ایک فقیہہ خلیفۃ المسلمین مامون کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ان کے پاس ایک یہودی کاتب (کلرک' منشی) ہے' جو ان کا مقرب اور محبوبِ نظر بنا ہوا ہے' فقیہہ نے مامون کے سامنے یہ شعر پڑھا:

اِنَّ الَّذِی شُرِّفْتَ مِنْ اَجْلِهٖ
یَزْعُمُ هٰذَا اَنَّهٗ کَاذِبٌ

''اے مامون! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تمہیں یہ عزت و شرف حاصل ہوا ہے' اور اس نبی معصوم کے بارے میں اس یہودی کا عقیدہ ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔''

یہ شعر سنتے ہی خلیفۃ المسلمین مامون نادم و شرمندہ ہوا اور فوراً یہودی کو ٹانگوں سے پکڑ کر چہرے کے بل گھسیٹتے ہوئے نکالنے کا حکم دیا' اور سرکاری حکم جاری کردیا کہ آج کے بعد کسی کافر سے کسی سرکاری کام میں مدد نہیں لی جائے گی۔

فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ مجلسوں میں غیر مسلموں کو صدر بنانا یا ان کی عظمت کے لیے کھڑا ہونا جائز نہیں' بلکہ جزیہ وصول کرتے وقت ان سے سخت معاملہ کیا جائے گا اور انہیں دیر تک کھڑا رکھا جائے گا' نیز ان کے ہاتھوں کو کھینچا جائے گا ——— واللہ اعلم!

مسجدوں کی تعمیر میں کافروں سے کام لینے کا حکم

سوال (۴۷) مساجد کی تعمیر میں کافروں سے کام لینے کا کیا حکم ہے؟

جواب: کافروں کو مسجد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دینی چاہئے' اس لیے کہ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے "اقتضاء الصِراط المُستقیم" میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس عراق کا حساب لے کر آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اپنے منشی کو بلاؤ کہ وہ پڑھ کر سنائے' انہوں نے کہا: وہ مسجد میں داخل نہیں ہوگا' وہ عیسائی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں کوڑے سے مارنا چاہا' اور اگر وہ کوڑا فی الواقع ان پر پڑ تا تو تکلیف دہ ہوتا' اور فرمایا کہ تم ان کو عزت نہ دو' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رسوا و ذلیل کیا ہے اور تم ان کو سچا مت سمجھو' اللہ نے ان کو جھوٹا قرار دیا ہے۔ اور تم انہیں امانت دار نہ سمجھو جب کہ اللہ پاک نے انہیں خائن قرار دیا ہے.... الخ"

اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو ناپاک قرار دیا ہے اور انہیں مسجد حرام کے قریب ہونے سے روکا ہے۔ علماءِ کرام نے استدلال کیا کہ مشرکوں کو پورے حرم سے دور رکھا جائے' کیوں کہ انہیں مسجد سے قریب ہونے سے منع کیا گیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ مشرکوں کی نجاست معنوی ہے جو کہ عقائد کی خرابی کی وجہ سے ہے اور وہ اپنے دلوں میں مسلمانوں کے لیے کینہ کپٹ اور بغض رکھتے ہیں' نیز ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام ایک باطل دین ہے اور مسلمانوں کا نبی جھوٹا ہے' اور یہ کہ اسلام نے انہیں ذلیل و خوار کیا ہے اور یہودی اور عیسائی مذہب کو ضعیف و کمزور کیا ہے' لہٰذا کوئی شبہ نہیں کہ وہ اس بات کی بھرپور کوشش میں ہیں کہ وہ مسلمانوں کے خلاف سازش اور مکر و فریب کریں' تاکہ

مسلمانوں کو ان کے دین سے نکال باہر کریں۔ اسی بناء پر کافروں اور مشرکوں کا مسجدوں میں داخل ہونا جائز نہیں' اس لیے کہ وہ اس کے حق دار نہیں ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ... ﴾

(التوبة: ۱۷)

"مشرکین کے یہ لائق نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں..."

ہاں! لیکن واضح رہے کہ یہاں لفظ "عمارۃ" سے مراد عبادت وطاعت ہے۔ کفّار اس زمانہ میں مسلمانوں کے ملکوں پر غلبہ حاصل کر چکے ہیں' اور یہ فتنہ عام ہو چکا ہے' اور وہ بہت سے اداروں اور کمپنیوں کے مالک بن چکے ہیں' تعمیری کام اور عام و خاص منصوبے مکمل کر رہے ہیں۔ ان جملہ کاموں میں سے کبھی کبھی مسجدوں کی تعمیر کا کام بھی ان کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی خصوصی کام بھی انجام دیتے ہیں' مثلاً ڈیزائننگ' انجینئرنگ' بجلی کا کام اور کام کی نگرانی وغیرہ سبھی کام شامل ہوتے ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو کام صرف مسلمانوں کو کرنے چاہیئے تھے وہ کافروں کے سپرد کرنا بہت بڑی غفلت اور سستی ہے' اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ ایسے مسلمان موجود ہیں جو ان کاموں کو بحسن وخوبی انجام دے سکتے ہیں۔

لیکن ادارے والوں اور کمپنی والوں کا خیال و تصور ہے کہ مسلمان کمزور ہیں اور ان کا علم بھی ناقص ہے اور وہ ان کاموں کو اچھے ڈھنگ اور مضبوطی و پختگی سے نہیں کر سکتے' اور یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ مسلمان فائدہ اٹھانے کا زیادہ حق دار ہے' حالانکہ مسلمان کے اندر اخلاص زیادہ پایا جاتا ہے' اور وہ قابلِ اعتماد اور صاحبِ امانت بھی ہے ـــــ واللہ اعلم!

✪ ✪ ✪

قرآن حکیم کے ساتھ کافر ملک کا سفر

سوال ⑱ قرآنِ حکیم کے ساتھ کافر ملک کے سفر کا کیا حکم ہے؟

جواب: فقہاء نے بیان کیا ہے کہ یہ حرام ہے(۴۹)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لَا تُسَافِرُوْا بِالْقُرْآنِ فَاِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّنَالَهُ الْعَدُوُّ)) (۵۰)

"قرآن کریم لے کر سفر نہ کرو، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں دشمن کے ہاتھ نہ لگ جائے۔"

دوسری روایت میں ہے:

نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّسَافَرَ بِالْقُرْآنِ اِلٰی اَرْضِ الْعَدُوِّ مَخَافَةَ اَنْ یَّنَالَهُ الْعَدُوُّ

"رسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے کہ قرآنِ حکیم لے کر دشمن کی سرزمین کی طرف سفر کیا جائے، مبادا دشمن کے ہاتھ چڑھ جائے۔"

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری، "باب الجهاد، باب كَرَاهِيَةُ السَّفَرِ بِالْمَصَاحِفِ اِلٰی اَرْضِ الْعَدُوِّ" میں روایت کیا ہے، لیکن اس کا سبب بیان نہیں کیا۔ اور بلاشبہ جمہور فقہاء نے بھی قرآنِ مجید کو ساتھ لے کر دشمن کی سرزمین

---

(۴۹) اور اس سلسلہ میں صحیح حدیث وارد ہوئی ہے جو امام مسلم" سے مروی ہے۔ ج ۶، ص ۳۰۔ اور امام احمد" سے ج ۲، ص ۶، ۱۰، ۵۵، ۷۶ نیز امام ابو داؤد اور دوسرے حضرات سے بھی یہ روایت منقول ہے۔

(۵۰) صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب ۲۴، ح ۱۸۶۹، ومسند احمد ۲/۶، ۱۰۔

کی طرف سفر کرنے سے منع کیا ہے' لیکن بعض علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ لشکر زیادہ ہو' اور دشمن پر فتح کا یقین کامل ہو۔ قرآنِ حکیم کے ہمراہ سفر کرنے سے روکنے کی ایک علّت یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر دشمن غالب آگیا تو قرآن حکیم کی ناقدری و بے حرمتی کا خطرہ ہے۔

دوسرا خطرہ یہ ہے کہ ایسی شکل میں دشمن اس میں تحریف کر سکتا ہے۔

مذکورہ دلائل سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ کافر کے ہاتھ میں قرآن حکیم کا نسخہ نہیں دیا جا سکتا' اس لیے کہ وہ معنوی طور پر نجس و ناپاک ہے۔ علاوہ ازیں کافر کو قرآنِ مجید کی تعلیم دینا بھی درست نہیں' اِلاّ یہ کہ اس کے اسلام لانے کی امید ہو' یا اتمامِ حجت کی خاطر تعلیم قرآن کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔

یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عیسائیوں کے بچوں کو قرآن حکیم کی تعلیم دینا ممنوع ہے' اس طرح کافر کا قرآن چھونا اور پکڑنا بھی ممنوع ہے' خواہ کافر مسلمانوں کے مدارس میں تعلیم حاصل کر رہے ہوں' لیکن بعض جدید علماء نے اجازت دی ہے کہ موجودہ دَور میں قرآن کریم لے کر کفار کے ملک کا سفر کیا جا سکتا ہے۔

شیخ محمد رشید نے "آداب شرعیہ" (ج ۲' ص ۲۹۹) پر اپنے حاشیہ میں کہا ہے کہ پہلی صدی کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے اگر قرآن حکیم دشمنوں کے ہاتھوں لگ جاتا تو بہت بڑے فتنے کا اندیشہ تھا' کیوں کہ لکھے ہوئے قرآن حکیم کم تھے' خطرہ تھا کہ دشمن دین اسلام کو بدنام کرنے کے لیے قرآن کریم میں تحریف کرتے' اور جو نسخے مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھے انہیں بھی مشکوک بنا دیتے' لیکن بعد میں قرآن مجید کے نسخوں کی کثرت ہو گئی اور پوری دنیا میں قرآن کے نسخے پھیل گئے' ہزاروں نسخے کافروں کے ممالک میں بھی پائے جانے لگے' اور جس فتنہ کا اندیشہ تھا ختم ہو گیا' اور اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی

حفاظت کا جو وعدہ کیا تھا اس کو بھی پورا کر دکھایا۔

لہٰذا اب قرآن کریم کے ساتھ کافر ملکوں کا سفر کرنے میں کوئی حرج نہیں ' اور پریس لگ جانے کی وجہ سے قرآن حکیم ہر جگہ پہنچ چکا ہے 'مختلف زبانوں میں قرآن مجید کے ترجمے شائع ہو چکے ہیں ' البتہ بعض ترجموں میں واضح غلطیاں موجود ہیں 'لہٰذا شدید احتیاط ضروری ہے ——— واللہ اعلم !

✪ ✪ ✪

انسان با اختیار ہے یا مجبور؟

سوال ۲۹ کیا انسان با اختیار ہے یا مجبورِ محض؟

جواب: ہمارا کہنا ہے کہ انسان با اختیار بھی ہے اور مجبورِ محض بھی ' اور یہ اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کی تقدیر میں لکھ دیا کہ اس سے کیا کچھ ہونے والا ہے اور وہ کیا کرنے والا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسان کو قدرت واستطاعت بھی دی ہے جس کے ذریعہ وہ کام انجام دیتا ہے ' اسے اختیار بھی بخشا ہے جس کی وجہ سے اس کو ثواب ملتا ہے یا سزا ملتی ہے۔ اللہ عزّوجل اس پر قادر ہے کہ انسان کو راہِ ہدایت کی طرف پھیر دے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ﴾ (الزُّمر: ۳۶ '۳۷)

"اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہیں ' اور جسے وہ ہدایت دے اسے گمراہ کرنے والا کوئی نہیں۔"

اور حدیث میں آتا ہے:

((اِعْمَلُوْا' فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ)) [51]
"تم عمل کرو' اس لیے کہ ہر شخص کے لیے وہ چیز آسان بنا دی گئی ہے جس کی خاطر وہ پیدا کیا گیا ہے۔"
پھر آپ ﷺ نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت کی:

﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ○ ﴾ (اللیل: ۵-۷)

"تو جس نے دیا (اللہ کی راہ میں) اور ڈرا (اپنے رب سے)' اور نیک بات کی تصدیق کی' تو ہم بھی اس کو آسان راستے کی سہولت دیں گے۔"

جو اس نے اپنے عمل سے ثابت کر دکھایا' اور وہ عطا (اللہ کی راہ میں خرچ)' تقویٰ اور تصدیق سے عبارت ہے' اور یہ بھی بتایا کہ اللہ پاک ہی نے اس کے لیے اس راستے کو آسان کیا ہے یعنی اس راستے پر چلنے میں اعانت کی اور قوت بھی بخشی' اگر وہ چاہتا تو گمراہ بھی کر سکتا تھا اور اس پر اس قوت کو مسلّط کر دیتا جو اس کو راہِ حق سے پھیر دیتی۔ پس یہ وہی ذات ہے' جسے چاہے وہ ہدایت دے اور جسے چاہے گمراہ کر دے۔

اہل السنّت والجماعت کا مسلک ہے کہ انسان سے جو گناہ اور شرعی احکام کی خلاف ورزی سرزد ہوتی ہے وہ تمام اللہ کی مشیت اور ارادے سے ہوتی ہے۔

"ارادۂ کونیہ قدریہ" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان گناہوں اور خلاف ورزیوں کا خالق و موجد ہے' اس کے باوجود وہ ذات ان گناہوں سے ناگواری و ناپسندیدگی کا اظہار کرتی ہے' اور گناہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند

---

(۵۱) صحیح مسلم' کتاب القدر' باب ۱' ح ۲۶۴۷.

نہیں کرتا۔ یہی نہیں ' بلکہ خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا بھی دے گا۔ البتہ ان گناہوں اور خطاؤں کی نسبت بندے کی طرف کی جاتی ہے ' کیوں کہ وہ ان گناہوں کا مرتکب ہے ' اور بندے کو گناہ گار ' کافر ' فاجر اور فاسق کہا جاتا ہے ' باوجود یکہ اللہ تعالیٰ نے ہی ان گناہوں کو بندے کے مقدر میں لکھ دیا ہے ' اور اگر اللہ چاہتا تو تمام انسانوں کو ہدایت کی دولت سے نواز دیتا۔ اللہ کی مخلوق اور احکام کی حکمتوں کو وہی جانتا ہے ' کیوں کہ اس کی بادشاہی میں اس کی مرضی کے خلاف کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بندوں کے افعال میں کوئی دخل نہیں ' بلکہ ان کے نزدیک بندہ خود ہی راہِ حق سے بھٹکتا ہے اور پھر خود ہی راہ حق پر گامزن ہو جاتا ہے۔ سو معتزلہ کے اعتقاد کا نتیجہ ہے کہ بندے کی طاقت رب کی قدرت سے زیادہ طاقت ور ہے۔

جبریہ بالکل معتزلہ کے مخالف ہیں ' اور انھوں نے رب کی قدرت ثابت کرنے میں مبالغہ سے کام لیا ہے ' اور بندہ سے قدرت و اختیار کو بالکل ختم کر دیا ہے ' اور نتیجتاً بندے کو ایسا مجبور و مقہور بنا دیا ہے کہ اس کے اندر نہ تو حرکت کی طاقت ہے اور نہ ہی اسے کوئی اختیار حاصل ہے۔

اہل السنّت والجماعت نے اس سلسلے میں راہِ اعتدال اختیار کی ہے ' اور ان کا کہنا ہے کہ بندوں کو اپنے اعمال پر اختیار حاصل ہے ' اور انہیں اپنے اعمال و افعال کے انجام دینے میں اپنے ارادے کے استعمال کرنے پر بھی اختیار حاصل ہے ' اور باری تعالیٰ بندوں کے اعمال اور ان کے ارادے کا خالق ہے ' تاکہ اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کے احکام کا باطل ہونا لازم نہ آئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فعل کی نفی نہیں ہوتی اور نہ ہی تمام چیزوں پر اس کی قدرت کی نفی ہوتی ہے ' اللہ ہی علیم

جادوگروں اور مداریوں کے پاس جانے کا حکم

سوال (۳۰) معلومات حاصل کرنے یا بیماری و دوا معلوم کرنے کی خاطر جادوگروں اور مداری کے پاس جانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ ناجائز ہے۔ اس سے پہلے نجومیوں' شعبدہ بازوں اور جادوگروں کے پاس جانے کا حکم بیان ہو چکا ہے۔

نجومی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو چوری' گم شدہ چیز یا انسان کے دل کے خیال کی خبر دے۔ وہ اس طرح غیب کے علم کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ جن یا شیاطین کی اطلاع پر اعتماد کرتا ہے اور پھر وہ جنوں اور شیطانوں کی مرضی کے مطابق چلتا ہے تاکہ جن و شیطان اس کے کام آسکیں۔

جادو ایک شیطانی عمل ہے جو گانٹھ (گرہ) یا جھاڑ پھونک یا چند متفرق اشیاء کو جمع کرکے ہوتا ہے' یا پھر بعض ناموں کو پڑھ کر کیا جاتا ہے۔ اس طرح جادو کا عمل اللہ تعالیٰ کی کونی و قدری تقدیر سے جادو زدہ انسان پر اثر انداز ہوتا ہے' کسی جادو کے اثر سے انسان مرجاتا ہے اور کسی دوسرے جادو سے انسان بیمار پڑ جاتا ہے' نیز جادو کی وجہ سے بیوی و خاوند کے درمیان جدائی ڈال دی جاتی ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جادوگر کافر ہے۔ جن و شیاطین کو پکار کر' ان کی عبادت کرکے' اور ان سے تقرب حاصل کرکے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے۔

جادوگروں کے کافر ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

﴿ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ

مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَاۤ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○

(البقرۃ : ۱۰۲)

"اور اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین (حضرت) سلیمان (علیہ السلام) کی حکومت میں پڑھتے تھے۔ سلیمان نے تو کفر نہ کیا تھا' بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا' وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے' اور بابل میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر جو اتارا گیا تھا' وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں' تو کفر نہ کر' پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے جس سے خاوند وبیوی میں جدائی ڈال دیں اور دراصل وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کسی کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچا سکتے' یہ لوگ وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچائے اور نفع نہ پہنچا سکے اور وہ بالیقین جانتے ہیں کہ اس کے لینے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں' اور وہ بدترین چیز ہے جس کے بدلے وہ اپنے آپ کو فروخت کر رہے ہیں' کاش کہ یہ جانتے ہوتے۔"

اور جب ساحر (جادوگر) مشرک ہے تو پھر اس کا قتل واجب ہے اور جمہور علماء کرام کا کہنا ہے کہ اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا' اس لیے کہ وہ عموماً اپنے معاملہ کو چھپاتا ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ وہ مسلمان ہے' کثرت سے آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت کرتا ہے اور وہ اللہ کی عبادت بھی کثرت سے کرتا ہے۔ اس بہروپ کی وجہ سے بہت سے لوگ اس کے دھوکہ میں آجاتے ہیں' لیکن وہ

چھپ چھپا کر شیطانوں کو پکارتا ہے۔ اور جادوگر اس کام کو کرتا ہے جو شیطانوں اور جنوں کا حکم ہوتا ہے' اور جب یہ طے پاگیا کہ وہ مشرک ہے تو اس کو زندہ چھوڑنا جائز نہیں۔

جادوگر کے پاس کسی بھی غرض سے جایا جائے' خواہ مقصد حالات معلوم کرنا ہو' یا دوا کے بارے میں دریافت کرنا ہو یا بیماری کی نوعیت معلوم کرنی ہو بہرحال یہ اس کے کام کی تائید ہے' اس کے علم و فن کی تعریف ہے۔ بلاشبہ اس زمانے میں لوگ کثرت سے سحر و کہانت میں مبتلا ہیں اور انہوں نے جادو و کہانت کو لوگوں کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ بنا رکھا ہے' مثلاً بیوی اور شوہر کے درمیان پھوٹ ڈالنا' بیماری' یا پھر جسمانی و عقلی تکلیف پہنچانا وغیرہ۔

مصیبت زدہ لوگ کرب و بے چینی کے مارے جادوگروں کے پاس جاتے ہیں' ان سے پوچھتے ہیں اور ان کی باتوں کو سچا مانتے ہیں۔ اور جب ایک جادوگر دوسرے کی تائید کر دیتا ہے تو پھر پہلے جادوگر کی بات پر انہیں یقین آجاتا ہے کہ اس پر جادو کیا گیا ہے یا جادو کا اثر ہے' اور اس جادو کا عمل فلاں جگہ ہے' جادو کرنے والے کی یہ صفات ہیں۔

جادو کے زیر اثر انسان کا علاج قرآن' دعائے ماثورہ اور وظائفِ منقولہ سے کریں' اور جس شخص کا قرآن کریم' ادعیہ ماثورہ اور اورادِ منقولہ پر اعتماد کامل ہو گا ان شاءاللہ العزیز اسے شفائے کاملہ مل جائے گی۔

صحیح عقیدہ رکھنے والوں اور دین دار طبقے پر لازم ہے کہ وہ قرآن حکیم اور سنّتِ مطہرہ سے ثابت شدہ اذکار پر یقین رکھے کہ ان کے ذریعے فائدہ ہو گا' تاکہ ساری مخلوق سے ان کا دل کٹ جائے —— واللہ اعلم!

✪ ✪ ✪

کیا "اے اللہ کی رحمت" کہنا جائز ہے؟

سوال (۳۱) کیا دعا مانگتے وقت یہ کہنا جائز ہے: "اے اللہ کی رحمت" تو مجھے توفیق دے' یا "اے اللہ کی قوت" تو میری حفاظت فرما۔

جواب: اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ﴾ (الاعراف: ۱۸۰)

"اور اللہ ہی کے لیے اچھے اچھے نام ہیں' سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو۔"

اس سے مانگا کرو اور ان ہی اسماء حسنیٰ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرو۔ چنانچہ دعا مانگنے والا کہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ 'اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ

"اے اللہ' مجھے بخش دے' اور مجھ پر رحم فرما' بے شک تو بہت بخشنے والا اور بڑا رحیم ہے۔"

یا تم یہ کہو:

یَا غَفُوْرُ اغْفِرْ لِیْ وَیَا رَحِیْمُ ارْحَمْنِیْ

"اے بخشنے والے! میری بخشش فرما' اور اے رحم کرنے والے! مجھ پر رحم و کرم فرما۔"

اور یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا توسل اور اس ذات سے سوال ان اسماءِ حسنیٰ کے ذریعے کیا جائے جن ناموں سے اللہ نے اپنی صفات بیان کی ہیں۔

اور حدیث میں ارشادِ نبویؐ ہے:

((اَلِظُّوْا بِیَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ))

"اللہ تعالیٰ سے لفظ "یاذاالجلال والاکرام" کے ذریعے سوال کرو۔"(۵۲)

یعنی اللہ تعالیٰ سے مانگو اور اُس پاک ذات سے اسی نام کے ذریعے دعا مانگو۔

ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ نبی آخرالزماں ﷺ نے ایک آدمی کو ان الفاظ کے ساتھ دعا مانگتے ہوئے سنا' وہ اپنی دعا میں کہہ رہا تھا:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنِّیْ اَشْهَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ' وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ"

"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی اللہ ہے اور تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں' تو ایک ہے اور بے نیاز ہے' جس نے کسی کو نہیں جنا (جو کسی کا باپ نہیں)' اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے (وہ کسی کی اولاد نہیں) اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔"

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَقَدْ سَاَلَ اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْاَعْظَمِ الَّذِیْ اِذَا سُئِلَ بِهٖ اُعْطِیَ' وَاِذَا دُعِیَ بِهٖ اَجَابَ)) (۵۳)

"بلاشبہ اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس کے اسم اعظم کے وسیلے سے دعا مانگی ہے' جب اس (اسم اعظم) کے ذریعے سوال کیا جائے تو سوال پورا کر دیا جاتا ہے' اور جب اس کے ذریعے دعا مانگی جائے تو وہ قبول

---

(۵۲) سنن الترمذی' کتاب الدعوات' باب ۹۲' ح ۳۵۲۴. ومسند احمد ۱۷۷/۴۔ علامہ البانی ؒ نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ السلسلة الصحیحة' ح ۱۵۳۶.

(۵۳) سنن الترمذی' کتاب الدعوات' باب ۶۵' ح ۳۴۷۲. وسنن ابن ماجة' کتاب الدُّعاء' باب اسم اللّٰہ الاعظم' ح ۳۸۵۵.

فرماتا ہے۔"

مذکورہ بالا دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال اور دعا اللہ کے اسماء حسنیٰ کے وسیلے سے ہونی چاہیئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ ﴾ (الاسراء: ۱۱۰)

"کہہ دیجئے کہ اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو تمام اچھے نام اُسی کے ہیں۔"

لفظ رحمت صفت بن کر وارد نہیں ہوا، یعنی "اے اللہ کی رحمت" یا "اے اللہ کی قوّت" یا ان جیسے الفاظ کے ساتھ دعا کرنا کہیں وارد نہیں ہوا ہے اور نہ کہیں اس کا ثبوت ہے، اس لیے کہ لفظ رحمت کا اطلاق کبھی جنّت کے لیے ہوا ہے، جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿ يُدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ﴾ (الدھر: ۳۱)

"وہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے۔"

(یہاں رحمت سے مراد جنّت ہے) اور کبھی "لفظ رحمت" کا اطلاق بارش کے لیے ہوا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ﴾ (الاعراف: ۵۷)

"وہ اپنی بارانِ رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے"۔

(یہاں رحمت سے مراد بارش ہے) اور یہ سب مخلوقات میں سے ہیں۔ اور حدیث میں آتا ہے:

((خَلَقَ اللّٰهُ الرَّحْمَةَ مِائَةَ جُزْءٍ......الخ))[۵۴]

---

(۵۴) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب جعل اللہ الرحمۃ فی مائۃ=

"اللہ تعالیٰ نے رحمت کو سو حصوں میں پیدا کیا ہے..."

اور جہاں تک قوت' قدرت اور ان جیسے الفاظ کا تعلق ہے تو یہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات ثابت ہیں جو اُس ذات وحدہ لا شریک لہ ہی کے لیے ہیں' نیز ان دونوں صفات سے اللہ جل جلالہ کا صفاتی اسم بھی مشتق ہوا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ (اچھے ناموں) میں سے "القوی' العزیز' القدیر" بھی ہیں' لیکن صفاتی کلمات (جیسے "اے اللہ کی رحمت" یا "اللہ کی قوت") کے ذریعے (اللہ کو) پکارنا صحیح نہیں' بلکہ موصوف ذات (اللہ سبحانہ) کو اس نام سے پکارا جاتا ہے جو اس نے اپنا نام رکھا ہے۔

اور جہاں تک فرمانِ نبوی ﷺ کا تعلق ہے: ((اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِعَفْوِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ))(۵۵) "اللہ! میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ چاہتا ہوں اور تیری عقوبت و سزا سے تیری معافی کی پناہ چاہتا ہوں۔" تو اس کا مطلب اللہ کی ناراضگی اور سزا سے پناہ مانگنا ہے' نیز ان دونوں (ناراضگی وسزا) کی ضد کا طلب کرنا ہے اور وہ رضائے الٰہی اور عفو و درگزر ہے اور اس میں اس صفت کو پکارنا نہیں ہے ــــــ واللہ اعلم!

✪ ✪ ✪

= جزء' ح ۵۶۵۴. صحیح مسلم' کتاب التوبۃ' باب ۴' ح ۲۷۵۲.

(۵۵) سنن النسائی' کتاب الاستعاذۃ' باب ۶۲' ح ۵۵۴۹.

مرگی کے مریض کو بھیڑیئے کی کھال دینے کا حکم

سوال : (۳۲) بعض لوگ آسیبِ جن کے مریض کو بھیڑیئے کی کھال پہناتے ہیں ' کھال کو سونگھتے ہی جن مریض سے نکل جاتا ہے یا مرجاتا ہے ' ایسے مریض کو کھال پہنانے کا کیا حکم ہے ؟

جواب : میں اس کو جائز نہیں سمجھتا ' اور میرا خیال ہے کہ یہ مفید بھی نہیں اور نہ ہی مجھے اس بات پر یقین ہے ۔ ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ جن بھیڑیوں سے بھاگتے ہیں ' بلکہ جب بھیڑیا دیکھتا ہے کہ جنات زمین پر نکل کھڑے ہوئے ہیں تو وہ ان پر حملہ آور ہوتا ہے اور انہیں چیر پھاڑ ڈالتا ہے ۔ چونکہ یہ بات عام لوگوں میں بہت مشہور ہے اور بہت سے واقعات بیان کیے جاتے ہیں ' للذا میں یہ بھی نہیں کہتا کہ یہ محال ہے ۔

البتہ جن انسان کی نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں ' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ إِنَّهُ يَرٰكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ﴾

(الاعراف : ۲۷)

"یقیناً وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھتے ہو ۔"

سو ہم جنوں کو نہیں دیکھ سکتے ' اس لیے کہ ان کا تعلق عالم ارواح سے ہے ' اور وہ ایسی مخلوق ہے جس کی کیفیت بھی ہمیں معلوم نہیں ' لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ انسانوں کے ساتھ گھل مل کر رہتے ہیں اور انسان کی روح پر غالب آسکتے ہیں ۔

آسیب جن کی بیماری میں مبتلا شخص کو جب مارا پیٹا جائے تو اس کو تکلیف پہنچنے کے بجائے سوار جن کو تکلیف ہوتی ہے ' بلکہ جن مریض کی زبان میں بات

کرتا ہے اور اس کے حرکات و سکنات پر غالب آجاتا ہے۔

آسیبِ جن کے مریض کا صحیح علاج کلام اللہ یا ادعیۂ ماثورہ سے دم کرنا ہے' اس لیے کہ وہ اس دم سے بہت تنگ ہوتا ہے' خصوصاً جب دم کرنے والا صاحب تقویٰ ہو' دین کا پابند ہو اور سُنّت پر عمل کرنے والا ہو' اور ان آیات کا علم بھی رکھتا ہو جو آیتیں جنوں کو نکالنے اور ان کو ضرر پہنچانے میں مؤثر ہوتی ہیں۔ کچھ ایسے لوگ ہیں جو آسیب جن کے علاج اور اس بیماری میں مبتلا اشخاص پر پڑھنے میں مشہور ہو گئے ہیں' حتیٰ کہ جب دم کرنے والا گھر سے چل پڑتا ہے تو مریض دم کرنے والے کے خوف سے گر پڑتا ہے۔

قرآنی آیات پڑھنے کے علاوہ بھی علاج کی کچھ صورتیں موجود ہیں۔ مثلاً دوائیں اور کچھ دوسری چیزیں ہیں جو جنوں کو نکالنے یا مارنے میں مؤثر ہیں' مذکورہ بالا صورتوں کے استعمال میں کوئی حرج نہیں' بشرطیکہ یہ چیزیں شرعاً جائز ہوں۔

اور اگر بھیڑیئے کی کھال یا جسم کے کسی دوسرے حصّے کے ذریعے علاج کے سلسلے میں تجربہ کیا جائے' اور تجربے سے ثابت ہو جائے کہ جنوں کو اذیت پہنچانے یا نکالنے میں اس کا فائدہ ہے' یا اس جیسی کوئی دوسری چیز ہو تو پھر تجربے کی بنیاد پر وہ چیز ادویۂ مباحہ میں سے ہو جائے گی' بشرطیکہ کوئی ایسی شۓ نہ ہو جو شرعاً ممنوع ہو تو وہ صحیح دوا ہے' کیونکہ نہ اس میں جادو ہے' نہ ہی جنوں کا استعمال ہے' اور نہ ہی یہ کوئی ایسی چیز ہے جس کو جادوگر اور شعبدہ باز لوگ استعمال کرتے ہیں —— واللہ اعلم!

✪ ✪ ✪

"تیری ذمّہ داری" یہ اصطلاح صحیح ہے؟

سوال (۴۲) بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ "تیرے ذمّے یا میرے ذمّے" ہے' اس اصطلاح کا کیا حکم ہے؟ اور کیا یہ عقیدہ پر اثر انداز ہوتی ہے؟

جواب: لفظ ذمّہ کے لغوی معنی "عہد و پیمان" کے ہیں' اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے عہد و پیمان کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے' جب اس کی اضافت اللہ ربّ العزت کی طرف کی جائے' مثلاً یوں کہا جائے کہ "تیرے لیے اللہ کا عہد و پیمان ہے۔"

ارشادِ ربّانی ہے:

﴿ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ... ﴾ (النحل: ۹۱)

"اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم آپس میں قول و قرار کرو..."

نیز فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ﴾ (الانعام: ۱۵۲)

"اور اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا ہے اس کو پورا کرو۔"

اور اللہ سبحانہ نے عہد و پیمان کو مطلقاً پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْــُٔوْلًا ۝ ﴾

(الاسراء: ۳۴)

"اور عہد کی پابندی کرو' بے شک قول و قرار کے بارے میں باز پرس ہونے والی ہے۔"

اور اگر یہ کہا جائے کہ تیرے لیے اللہ تعالیٰ کے نام پر عہد و پیمان ہے' یا یہ کہا جائے کہ تیرے لیے میرا عہد و پیمان ہے تو یہ حکم دونوں کو شامل ہے' کیونکہ

آیت مذکورہ میں حکم عمومی ہے 'لہٰذا عہد و پیمان کا پورا کرنا واجب ہے۔ دھوکہ دہی منافقوں کی پہچان ہے 'اور غدر کے معنی عہد شکنی کرنا اور اس کو پورا نہ کرنا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا: اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ...الخ)) (۵۶)

"چار باتیں جس شخص میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے 'جب وہ کسی سے بات کرے تو جھوٹ بولے 'اور جب کسی سے عہد و پیمان کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے.... الخ"

اور دوسری حدیث میں فرمانِ رسول ﷺ ہے:

((يُرْفَعُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يُقَالُ: هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلَانٍ)) (۵۷)

"قیامت کے دن ہر عہد شکن کے نام پر ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں شخص کی غداری کا نشان ہے۔"

لیکن اللہ تعالیٰ کے نام پر عہد و پیمان کو پورا کرنا مطلق عہد و پیمان کے پورا کرنے کے مقابلے میں زیادہ شدید اور زیادہ ذمہ داری کا معاملہ ہے۔

اور امام مسلم رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں

---

(۵۶) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب علامة المنافق، ح ۳۴. صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان خصال المنافق، ح ۵۹.

(۵۷) صحیح البخاری، کتاب الجزیة، باب اثم الغادر للبر والفاجر، ح ۳۰۱۵، ۳۰۱۶. وصحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب تحریم الغدر، ح ۱۷۳۵ وما بعد.

حضور انور ﷺ کا یہ فرمان ثابت ہے:

((وَاِذَا حَاصَرْتَ اَهْلَ حِصْنٍ فَاَرَادُوْا اَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّهٖ، فَلَا تَجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّهٖ وَلٰكِنِ اجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ وَذِمَّةَ نَبِيِّكَ، فَاِنَّكُمْ اِنْ تُخْفِرُوْا ذِمَمَكُمْ اَهْوَنَ مِنْ اَنْ تُخْفِرُوْا ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّهٖ)) (۵۸)

"جب تم کسی قلعہ والوں کا محاصرہ کرو اور وہ تم سے مطالبہ کریں کہ تم ان سے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی ذمہ داری پر عہد و پیمان کرو، تو تم ہرگز اُن سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا عہد و پیمان نہ کرنا، بلکہ تم ان سے اپنے اور اپنے بچوں کی ذمہ داری کا عہد و پیمان کرنا، اس لیے کہ اگر تم اپنے عہد و پیمان کی عہد شکنی کرو تو یہ تمہارے لیے کہیں زیادہ ہلکا ہے اس سے کہ تم اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے عہد و پیمان کی خلاف ورزی کرو۔"

اور ایک دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے:

((مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَهُوَ فِيْ ذِمَّةِ اللّٰهِ)) (۵۹)

"جس شخص نے نماز فجر باجماعت ادا کی وہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں ہے۔"

لیکن عام طور پر جب لوگ "فِيْ ذِمَّتِيْ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے ان کا مقصد قسم کھانا ہوتا ہے، یا پھر کلام کو زور دار بنانا ہوتا ہے۔ اور جب لوگ

---

(۵۸) صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب ۱، ح ۱۷۳۱.

(۵۹) صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب فضل صلاة العشاء والصبح فی جماعة، ح ۶۵۷. وسنن الترمذی، کتاب الصلاة، باب ما جاء من فضل العشاء والفجر فی الجماعة، ح ۲۲۲.

"بِذِمَّتِكَ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے ان کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ یہ تمہارے راز میں ہے' اور جو تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان ہے' نیز جب ایک آدمی دوسرے سے کہتا ہے: "بِذِمَّتِكَ مَا فَعَلْتَ كَذَا" یعنی تم قسم کھا کر کہہ رہے ہو کہ تم نے ایسا نہیں کیا' اور وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں یہ بات ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں۔ لہٰذا اگر وہ اپنے قول میں سچا ہے تو اس میں کوئی قباحت و ممانعت نہیں' ورنہ پھر یہ جھوٹ کے حکم میں ہے یا عہد شکنی میں شمار ہو گا جس کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے۔ یہ بات ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں —— واللہ اعلم!

✪ ✪ ✪

گناہ اور حدیثِ مغفرت کا ربط

سوال ۴۲ کچھ گناہ گار درج ذیل حدیث سے حُجّت پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَاَتَى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُذْنِبُوْنَ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ' فَيَغْفِرُ اللّٰهُ لَهُمْ))

"اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ ضرور ایسی قوم لے آئے گا جو گناہ کرے گی اور پھر استغفار کرے گی' پھر اللہ پاک ان کے گناہوں کو بخش دے گا۔"

اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: یہ دھوکہ اور فریب کے شکار حضرات کا خیال ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام و شریعت سے بہت دُور ہیں۔ شیطان نے ان کو پٹی پڑھائی اور انہیں

ضلالت و گمراہی میں امیدیں دلائیں' خطاؤں و لغزشوں کے کرنے اور اس پر اصرار کی دعوت دی اور ان کے قلوب میں یہ تمنا پیدا کردی کہ فی الحال تو دل کھول کر گناہ کرلیں' بعد میں باری تعالیٰ سے توبہ کرلیں گے۔

چنانچہ بہت سے لوگ گناہوں کے دلدادہ بن گئے ہیں' اور ان کے پاس بے شمار بہانے ہیں۔ کچھ لوگ مستقبل میں توبہ کا خواب دیکھ رہے ہیں' کچھ لوگ بڑھاپے میں توبہ کا پروگرام رکھتے ہیں۔ ہوگا یہ کہ اچانک موت ان کے سارے منصوبے کو مٹی میں ملادے گی اور ان کی تمنا دھری کی دھری رہ جائے گی۔ اور ان گناہ گاروں میں سے کچھ لوگ اللہ سبحانہ کی وسیع و بے پایاں رحمت سے آس لگائے بیٹھے ہیں اور وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ سخت سزا و عذاب دینے والا ہے۔ گناہوں کے حرام ہونے کا علم بھی ہو پھر بھی اس پر اصرار کرے تو سزا سخت ہو جاتی ہے۔

نیز ان میں سے کچھ لوگ تباہ ہونے والوں اور گناہ گاروں کی کثرت کو دیکھ کر دھوکہ میں پڑ گئے ہیں اور ان کی صف میں شامل ہو گئے ہیں۔ ان کے خیال میں ایسی عقل و دانش کے لوگ کیسے غلط کاموں کا شکار ہو سکتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بکثرت گناہ اور خطائیں دلوں میں سنگینی و سختی پیدا کردیتی ہیں' اور انسان کو ذکر و طاعت سے روکتی ہیں۔

عام طور پر ایسے گناہ گاروں کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی' اور ان کا انجام کار بڑا خوف ناک ہوتا ہے' یہاں تک کہ گناہ کے کام ان کی تمنائیں اور زندگی کا اسلوب بن جاتے ہیں' بالآخر گناہ ان کے ذاتی اختیار پر غالب آجاتے ہیں۔ اس طرح کے لوگ گناہوں سے نہ دامن چھڑا سکتے ہیں اور نہ ہی ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کا کوئی راستہ ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث صحیح اور ثابت ہے ' لیکن یہ حدیث ان حضرات کے بارے میں ہے جو لاعلمی کی وجہ سے خطاو لغزش کر بیٹھتے ہیں اور پھر فوراً توبہ و استغفار بھی کر لیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کا تذکرہ اللہ ربّ العزت نے اس آیت کریمہ میں کیا ہے:

﴿ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ... ﴾ (النساء: ۱۷)

"اللہ تعالیٰ صرف انہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو بوجہ نادانی (جذبات میں آکر) کوئی برائی کر گزریں ' پھر جلد اس سے باز آجائیں اور توبہ کرلیں..."

نیز ارشادِ ربّانی ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمران: ۱۳۵)

"جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ فی الواقع اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟ اور وہ لوگ باوجود علم کے کسی بُرے کام پر اڑ نہیں جاتے۔"

جبکہ یہ لوگ اپنے بُرے عمل پر اَڑے رہتے ہیں اور توبہ کے معاملے میں سُستی و غفلت برتتے ہیں۔ ہم اللہ ربّ العزت سے اس ذلت و رسوائی سے پناہ چاہتے ہیں ـــــ واللہ اعلم!

✪ ✪ ✪

کیا ابلیس فرشتوں میں سے ہے؟

سوال ⑯ کیا ابلیس فرشتوں میں سے ہے؟

جواب: اس میں علماءِ کرام کے دو قول ہیں' اور ہر قول کی دلیل بھی ہے اور ترجیحی پہلو بھی۔

پہلا قول یہ ہے کہ ابلیس گروہِ ملائکہ سے ہے' ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ○اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ﴾

(ص: ٧٣'٧٤)

"چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا' مگر ابلیس نے (نہ کیا)۔"

مستثنیٰ دراصل مستثنیٰ مِنہ کی جنس سے ہوتا ہے' نیز اِس آیت میں حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم صرف فرشتوں کو دیا گیا تھا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ﴾ (الاعراف: ١١)

"پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔"

اس آیت میں اس کا ذکر نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں کے ساتھ دوسروں کو بھی سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا' لہٰذا معلوم ہوا کہ شیطان فرشتوں کے افراد میں سے ہے' تبھی تو فرشتوں کے نام جاری کردہ حکم شیطان کے لیے بھی ہوا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ابلیس ملائکہ میں سے نہیں ہے —— اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿...اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ...﴾ (الکهف: ٥٠)

"...ابلیس کے سوا (سب نے سجدہ کیا) یہ جِنوں میں سے تھا..."

یعنی اس شیطان کی اصلیت جنوں سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے متعلق فرمایا (کہ ابلیس کہنے لگا) :

﴿ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ... ﴾ (ص: ۷۶)

"تُو نے مجھے آگ سے پیدا کیا۔"

اور حدیثِ نبوی میں آیا ہے کہ فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔ اور ذاتِ باری تعالیٰ نے جنوں کے بارے میں فرمایا :

﴿ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ٥ ﴾

(الحجر : ۲۷)

"اور اس سے پہلے جنّات کو ہم نے لو والی آگ سے پیدا کیا۔"

نیز ارشادِ ربانی ہے :

﴿ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ٥ ﴾ (الرحمٰن : ۱۵)

"اور جنّات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔"

تو جب یہ بتا دیا گیا کہ ابلیس جنوں میں سے تھا اور جنوں کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے' لہٰذا ابلیس کی خلقت بھی آگ سے ہے' تو یہ چیز اس بات کی دلیل ہے کہ ابلیس فرشتوں میں سے نہیں۔ اسی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ ابلیس تبعاً سجدے کے حکم میں داخل تھا' یعنی یہ کہ ابلیس فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا' اگرچہ وہ ان میں سے نہیں تھا' بنابریں وہ عمومِ امر میں داخل ہوگیا تھا' لیکن ابلیس کی اصلیت و عنصریت نے اس سے خیانت کی۔

اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ابلیس جنوں کا جدِ امجد تھا' جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام انسانوں کے جدِ امجد تھے۔ اللہ سبحانہ نے یہ بتایا کہ جنوں میں صالح اور مسلمان بھی ہیں۔

رہی شیطانوں کی بات تو ظاہر ہے کہ سارے شیطان کافر اور بنی نوع انسان

کے دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ شیطان کی نسل موجود ہے' فرمایا:
﴿ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ ﴾
(الکھف: ۵۰)
"کیا پھر بھی تم اسے اور اس کی اولاد کو مجھے چھوڑ کر اپنا دوست بنا رہے ہو؟ حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں۔"

اور بظاہر اولاد اس کے صُلب سے ہے۔ ہمیں علم نہیں کہ وہ کیسے پھلی پھولی۔ لیکن جہاں تک فرشتوں کا تعلق ہے تو اللہ ذوالجلال والاکرام نے خود فرشتوں کی مدح وستائش کی ہے کہ فرشتے اس کی عبادت سے نہ سرکشی کرتے ہیں اور نہ ہی تھکتے ہیں۔

لہٰذا اس دلیل سے ثابت ہوگیا کہ شیطان فرشتوں میں سے نہیں ہے' کیونکہ دونوں گروہوں میں صفات کا واضح فرق ہے ـــــ واللہ اعلم!

✪ ✪ ✪

عقیدے میں مفید کتابیں کون سی ہیں؟

سوال ۳۶ صحیح اسلامی عقیدہ کے بارے میں کن کتابوں کا مطالعہ مفید ثابت ہو سکتا ہے؟

جواب: ہم سلف صالحین اور بالخصوص ابتدائی زمانے میں لکھی گئی کتابوں کے درس و مطالعہ کی نصیحت و تلقین کرتے ہیں۔ اس لیے کہ عقیدہ کا معاملہ ایسا ہے کہ جب انسان اس کی مخالفت کرے گا تو گمراہ ہو جائے گا۔ بنابریں علماءِ کرام نے اس کا خوب اہتمام کیا اور سب سے پہلے اس کی طرف توجہ مبذول کی۔

اور حق کے علم بردار اِن علماءِ اسلام نے اپنے ہم زمانہ جماعتوں' مثلاً خوارج' قدریہ' جہمیہ' مرجئہ' رافضہ اور جبریہ کے ساتھ مباحثہ و مناظرہ کیا' نیز ان علمائے حق و صواب نے اہلِ بدعت کی خطاؤں اور لغزشوں کی نشان دہی کی' اور ان کی غلطیوں و خامیوں کو ان کے سامنے واضح کر دیا' اور ان علمائے اسلام نے اسی پر بس نہیں کیا' بلکہ اس تردید کے معاملہ میں پورا زور لگا دیا' جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے زنادقہ کی تردید کی اور عثمان دارمی نے جہمیہ اور بشر المریسی کے خلاف کام کیا۔

اور ان علمائے کرام نے سُنّت یعنی عقیدے کے معاملے میں کتابیں تحریر فرمائیں' مثلاً امام احمد رحمہ اللہ کی کتاب "السُّنَّة" جو اصطخری کی روایت سے ہے' عبد اللہ بن احمد کی کتاب "السُّنَّة" اور ابن ابی عاصم کی "السُّنَّة" بربھاری کی "السُّنَّة" ابن ابی شیبہ کی "الایمان" ابنِ مندہ کی "الایمان"' ابنِ خزیمہ کی "التوحید" ابنِ مندہ کی "التوحید" ابن بطہ کی "الابانۃ" اور بیہقی رحمہ اللہ کی "الاسماء والصفات"۔ نیز بیہقی ہی کی "الاعتقاد" اور خلال کی "السُّنَّة" اور لالکائی کی

"شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ" اور آجری کی کتاب "الشریعۃ"۔
ان بنیادی کتابوں کے بعد نام آتا ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید ابنِ قیم رحمہما اللہ کا' ان کی کتابیں مثلاً "العقیدۃ الواسطیۃ" اور اس کی شرحیں ہیں: "الروضۃ"' "التنبیہات" اور "الکواشف"۔ نیز شیخ الاسلام کی درج ذیل کتابیں بھی مفید ہیں: الفتوی الحمویۃ' الرسالۃ التدمریۃ' اجتماع الجیوش الاسلامیۃ' الکافیۃ الشافیۃ' الصواعق المرسلۃ اور الصفدیۃ وغیرہ۔

اور جہاں تک توحیدِ عملی کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ' امام الدعوۃ الشیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہما اللہ' ان کے فرزندوں' تلامذہ اور ان کے متبعین نے کتابیں تحریر فرمائیں' جیسے کتاب "التوسّل والوَسیلۃ"' "رسالۃ الواسطۃ"' "اقتضاء الصّراط المستقیم"' "کتاب التوحید الذی ھو حق اللّٰہ علی العبید"' "مفید المُستفید"' "کشف الشبہات"' "ثلاثۃ الاصول" "مسائل الجاھلیۃ" اور بلیمی کی "عقیدۃ المسلمین" نیز صنعانی کی "تطھیر الاعتقاد"۔ صحیح عقیدے کی مخالفت کرنے والوں کے رد میں بھی انہوں نے متعدد کتابیں تالیف کی ہیں —— واللہ اعلم!

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ

✪ ✪ ✪